م غیب استمداد اور تصرف اولیا پر

معرکۃ الآرا تصنیف

الامتیاز

بین

الحقیقت والمجاز

مؤلفہ

فاضل جلیل حضرت مولانا مولوی محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ نبویہ

جامع سٹی کوتوالی لاہور

حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن ابو طالب بن عبدالمطلب ثانی فاطمہ بنت اسد تھی اور اپکی ولادت روز جمعہ وقت صبح رجب المرجب
کی تیرہ ۱۳ تاریخ تھی اور سال ولادت کا قبل البعثت تھا ۱۰ سنہ یعنی کہ دس سال قبل اور جگہ ولادت مکہ معظمہ شریف
اور وفات دوشنبہ ۲۱-۲۲ رمضان شریف ۳۹ھ کو ہوئی جگہ وفات شہر کوفہ تمام عمر ۶۳ تریسٹھ سال اور وقت ولادت
کے شہر کا بادشاہ تھا اور وقت وفات کے بادشاہ معاویہ بن ابی سفیان تھا اور اپکی اولاد کی تعداد ۲۷ شمار میں ہے اور جگہ
مدفن کی در نجف اشرف ہے سبب وفات یہ ہے کہ ابن ملجم نے زہر آلودہ شمشیر بر گردن کشید وقت تہجد شریف

شکست اندازِ مکر دا نانگ کیتا اس حسن دے مورلوں پھٹیو نے — ص ۳۱۸ ہیر
وارث یار دے خرچ تحصیل وچوں حصہ صرف قصور دا لٹیو نے

۲ع بہت اپنے گوروں نوں یاد کردا امت اوسنوں عرض سناسیانی
احمد شاہ از غیب تھیں آن پوسی رب رکھ جنڈیارے نوں جاسیانی — ۱۱۸۰ھ

۳ع سکندر شاہ جاں فقر دے پیر پکڑے قلعہ وڈ دا فتح کرا سیانی
کمر لگ اتے کیتی فقر کرپا بادشاہ میاں ست دیوا سیانی

۴ع ایہ مست ملنگ نہ چھیڑ کڑیئے کوئی وڈا فساد پوا سیانی
مار سجان کھیڑے اُجڑ ملجان سائے تدھ لنڈی دا کجھ نہ جاسیانی — یہ شعر اول کا ہے ص ۲۷ ہیر

کوئی انساں جیہا ولی شدہ ناہیں نظر آوندا جگ ظہور جیہا
دستار بجوار یوں خوب آوے آتے بافتہ نہیں قصور جیہا — ص ۲۲۶ ہیر وارث شاہ

شیت ولد آدم ہے جو لاہیاندا اتے شیطان ہے پیر مراسیاں دا
شیخ عطار ہے پیر عطاریاں دا شاہ شمس تبریز خوجا سیاندا — ص ۲۲۹ ہیر رانجھا

جاء الحق وزهق الباطل

علمِ غیب ــــ استمداد ــــ اَور تصرف اولیاءاللہ پر

الامتیاز

بین

الحقیقت و المجاز

ــــ مصنّفہ ــــ

حضرت مولانا مولوی محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ مصنّف تفسیر نبوی

ــــ نظر ثانی ــــ

حضرت علامہ برکت علی شہید، دامت برکاتہم

ــــ شائع کردہ ــــ

مکتبہ نبویہ

جامع سٹی کوتوالی ــــ لاہور

مطبوعہ مقبول عام پریس لاہور

قیمت ۲۵ــ ۱

حدیثِ رفتگان

نذرِ عقیدت :- اقبال احمد فاروقی

دور ہا باید کہ تا یک مردِ حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

تذکرہ نویس کا قلم جب بھی اہل اللہ کے سوانحی نقوش کو ترتیب دینے پر آمادہ ہوا تو مصنف کی معلومات اس کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکیں۔ تاریخ پیدائش بچپن کے مشاغل۔ عنفوانِ شباب کی جدوجہد۔ جذب و سلوک کی منازل۔ جوانی کے کارنامے۔ احباب سے معاملات۔ معاصرین کے تاثرات۔ غرضیکہ مہد سے کر لحد تک "ہزاروں داستانیں۔ لاکھوں سرگزشتیں اور ان گنت کیفیتیں ہوتی ہیں جو تذکرہ نویس کی معلومات کی نارسائی کا مذاق اڑاتی رہیں۔ اور ناظرین کی ضیافتِ طبع کے لئے کچھ محاسن و مناقب، چند فضائل و برکات اور خرقِ عادات کی ایک طویل فہرست اپنے دلکش انداز میں پیش کر کے حقِ تالیف ادا کر دیا جاتا رہا۔ اہل اللہ کی زندگی کی وسعتوں کا اندازہ اسی حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جہاں ہماری علمی معلومات نے ذرہ سے آفتاب کی بلندیاں قطرہ سے سمندروں کی گہرائیوں کا کھوج لگا لیا ہے۔ وہاں اہل دل کی زندگی کے ایک لمحے کے اسرار و رموز کی جستجو کے لئے صدیاں گزار دیں۔ مگر ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ ہاں جس خوش قسمت نے بادۂ عرفان کا ایک گھونٹ پا لیا وہ سرمستِ محبت اہل اللہ کا اس طرح راز دار بنا کہ اسکی اپنی خبر عنقا ہو گئی۔

کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

دنیا کے شہنشاہوں، جنگجوؤں، فاتحین اور فرمانرواؤں کی داستانِ حیات لکھتے لکھتے اہل علم کے جس معجز آفریں قلم نے اپنے کمال کا لوہا منوایا، وہ ان گلیم پوش گوشہ نشینوں کی داستانِ حیات لکھنے لگا تو اپنے عجز کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔ جہاں ہمارے علم کی سرحدیں ختم ہوتی ہیں۔ وہاں سے اہل اللہ کی سوانحی منزل کا آغاز ہوتا ہے۔ اور جہاں ہماری تگ و دو کے پر جلنے لگتے ہیں، وہاں سے اہل دل کا قدمِ اولین اٹھتا ہے۔

در جستجوئے ما نہ کشی زحمتِ سراغ
آنجا رسیدہ ایم کہ عنقا نمی رسد

نارسائی معلومات کا معاملہ ہمیں بھی درپیش ہے۔ حضرت مولانا محمد نبی بخش حلوائی رحمۃ اللہ علیہ کی سادہ زندگی کے حالات قلمبند کرنے کو بیٹھے کہ ابھی ابھی وہ ہم سے جدا ہوئے ہیں۔ ابھی تک تو دلنواز آواز کانوں میں گونج رہی ہے۔ ابھی ان کا شہر انہیں انقلابی آویزشوں کا گہوارہ ہے۔ ابھی وہ گلیاں اسی حالت میں ہیں جہاں وہ آیا جایا کرتے تھے۔ ابھی ان کوچہ و بازار میں ان کے نقشِ پا ملتے ہیں۔ ابھی ان کے اعزہ و اقارب ان کی باتیں سنانے کو زندہ ہیں۔ ابھی ان کے معاصرین ان کے علمی رموز و نکات کو نہیں بھولے۔ مگر ہمارے سارے اسباب اتنے سہل ممتنع ثابت ہوئے کہ ان کے بحرِ اوصاف سے ایک قطرہ بھی حاصل نہ کر سکے۔

ما ہمچناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

دراصل اہل اللہ کی زندگی میں لیل و نہار کی گردش، حوادثِ زمانہ کے دنیاوی نشیب و فراز اور ہنگامی تحریکیں پرِ کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتیں۔ یہ چیزیں ایک دنیادار کی زندگی کی متاعِ عزیز ہیں اور دنیا والے اس پہ فخر بھی کرتے ہیں۔ مگر اہل دل گردشِ لیل و نہار سے بے نیاز ہو کر انسانیت کے ہر دورِ میں ہر دنیا

کا سبق دیتے ہیں۔ اور یہی ان کی زندگی کا نصب العین ہوتا ہے۔ ؎

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ‌ ‌ ‌ از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

بادشاہوں کے مخصوص خاندان ہوتے ہیں۔ نسلاً بعد نسلٍ۔ سلطان ابن سلطان پیدا ہوتے چلے آتے ہیں۔ ایک کی موت دوسرے کی تاجپوشی کا پیغام لاتی ہے۔ تاج و تخت کی یہ وراثت حالات کے سنوارنے میں بڑی اہم ہوتی ہے اور اس طرح ان کی زندگی کے حالات پشت در پشت قلمبند ہوتے رہتے ہیں اگر کوئی نئی شخصیت اپنے زورِ بازو سے گمنامی کے کسی گوشہ سے ابھر کر دنیائے شہنشاہیت میں قدم رکھتی ہے تو اہل علم کے قلم اس کے حالات و مناقب لکھنے کے لئے جھک جاتے ہیں۔ مگر درویشوں کے ہاں "فلاں ابن فلاں" کا سلسلہ ہی نہیں۔ یہاں خانوادوں، رنگوں، نسلوں اور شکلوں کو شمار میں ہی نہیں لایا جاتا۔ یہاں تو نگاہِ یار کی بے نیازیاں ہیں۔ اونٹوں کے ساربانوں کو عرب و عجم کی حکمرانی بخش دی جاتی ہے۔ بوریا نشین، عرش نشین بن جاتے ہیں۔ تہیدستوں کو دنیا کی سلطنتوں کی تقسیم پر مامور کر دیا جاتا ہے اور کالے حبشیوں کو بیت الحرام کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دینے کا شرف بخشا جاتا ہے۔ رنگ و نسل پر ناز کرنے والے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور گمنام والدین کے نیاز مند بچے صف اول میں جگہ پاتے ہیں۔ ؎ بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی ؛ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

مخدومنا حضرت مولانا حلوائی رحمۃ اللہ علیہ قدرت کی فیاضی کا مظہر ہیں۔ وہ لاہور کے ایک متوسط ارائیں گھرانے میں ۱۲۶۶ھ میں پیدا ہوئے۔ والدین کا سارا قبیلہ اہل لاہور کے لئے سبزیاں اگاتا، لاتا اور فروخت کر دیتا۔ آپ کے بڑے بھائی قادر بخش ہوشیار و ذہین نظر آتے تھے۔ والد میاں محمد وارث نے انہیں سکول کی تعلیم میں لگا دیا حضرت مولانا لکنتِ زبان اور سادگی کی وجہ سے ایک حلوائی کے پاس "فن معیشت" کے لئے شاگرد بٹھا دیے گئے۔ ہوشیار بھائی اپنی ہوشیاری کی بدولت تیسری جماعت سے بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر سکول کا منہ نہ دیکھا مگر سادہ لوح نبی بخش دکان کے کام سے فارغ ہو کر مسجد کے در و دیوار سے اتنا مانوس ہوئے کہ چند برس میں قرآن سیکھ کر ذوق تعلیم سے سرشار ہو گئے اور ایسی وابستگی حاصل کی کہ یہاں ہی عمر گزار دی۔ ابتدائی کتابیں مختلف علمائے کرام سے پڑھیں۔ آپ کے اساتذہ میں سے مولانا مومن حسین خطیب شاہی مسجد۔ مولانا محمد ذاکر بگوی۔ غلام محمد بگوی۔ پیر سید عبد الغفار شاہ۔ مولانا غلام قادر بھیروی۔ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ تحصیل علوم ظاہری کے بعد آپ حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری قدس سرہ العزیز کی شہرت سے متاثر ہوئے تو روحانیت کی تربیت کا آغاز ہوا۔ آپ نے قصور ہی میں صاحبزادہ عبد الرسول بن غلام محی الدین قصوری سے بھی استفادہ کیا۔ حضرت مولانا غلام دستگیر کے روحانی فیض نے آپ کو صوفی۔ مصنف۔ مفسر قرآن مناظر اسلام اور اہلسنت والجماعت کا مایۂ ناز پنجابی شاعر بنا کر چمکایا۔ ان اللہ والوں کی نگاہوں میں کیا تاثیر ہوتی ہے کہ سادہ دلوں کو دانائے رموز فطرت بنا دیتے ہیں۔ مٹی کے ذروں کو اٹھا کر تاج شاہی کے چمکتے ہوئے موتی بنا دیتے ہیں۔ ؎ ز شرر ستارہ سازند ز ستارہ آفتابے

آپ کے ہم مسلک معاصرین میں سے حضرت مولانا دیدار علی شاہ، مولانا تاج الدین صاحب، مفتی عبد القادر۔ حافظ شیخ محمد اچھرہ۔ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا نام سرفہرست ہے۔ معاندین میں سے حافظ محمد لکھوی، مولوی دلپذیر، مولوی عبد الستار، سارجنٹ صاحب بہادر مؤلف تفسیر نعمانی وغیرہم عقائد کے مباحث میں بڑے زوردار غیر عقیدہ لوگ تھے۔ ان کی تصانیف جہاں عوام کو وہابیت کا پیغام دیتی ہیں ہمارے مولانا کی تصنیفات ان کا مسکت جواب پیش کرتی ہیں۔ تفسیر نبوی پنجابی دراصل حافظ محمد لکھوی کی تفسیر محمدی کے غیر مقلدانہ عقائد کی تشریح کا جواب ہے۔ اور اس فتنہ کو عوام میں پھیلنے سے روکنے کے لئے آپ نے یہ تفسیر پنجابی میں منظوم لکھی۔ ان معاندین کو ضد تھی کہ سادہ لوح دیہاتی عبد الوہاب نجدی کے نظریۂ توحید کے قائل ہو جائیں۔ مگر حضرت مولانا کو دعویٰ تھا کہ عوام کا رشتہ دل، دامن رسالت سے کبھی نہ ٹوٹے۔ ؎ ملک الموت کو ضد ہے کہ جاں لیکے ٹلوں ؛ اور مسیحا کو یہ ضد ہے کہ میری بات رہے

گذشتہ نصف صدی کی پاک و ہند کی اعتقادیات اور فکری تاریخ پر نگاہ ڈالی جائے تو اس دور کو اعتقادی پرفتن دور ماننا پڑے گا۔ اس زمانہ میں وہابیت۔ دیوبندیت۔ دہریت۔ چکڑالویت اور مرزائیت کی تحریکیں حشرات الارض کی طرح نکلیں جس سے مسلمانوں کی اعتقادی عمارت کی بنیادوں کو بڑا ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ مولانا اسمٰعیل دہلوی۔ حفظ الرحمان۔ خلیل احمد انبیٹھوی۔ رشید احمد گنگوہی مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہم شیخ نجد کا پیغام اس برصغیر میں پہنچانے میں بڑے سرگرم تھے۔ مگر صاحب بطحا کے نام لیوا بھی غافل نہیں بیٹھے۔ اور انہوں نے عوام کے اعتقاد کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادی۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی۔ مولانا دیدار علی شاہ۔ مولانا غلام قادر بھیروی اور پنجاب میں مولانا نبی بخش صاحب

صاحب حلوائی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی خدمات کو کون بھول سکتا ہے۔ حضرت مولانا نبی بخش حلوائی پنجاب کے دیہات میں قریہ بقریہ پھرے۔ جموں کی پہاڑیوں سے لیکر بہاولپور کے ریگستانوں تک دیہاتی عوام کو دامنِ مصطفےٰ سے وابستگی کا بڑا اہم سبق دیا۔ آپ کی تفسیر نبوی۔ شفا القلوب۔ احسن القصص۔ النار الحامیہ لمن ذم المعاویہ۔ خیر الہدیٰ اور اعتقادیات پر دیگر کتابیں آپ کے قلمی کارناموں کے زندہ نمونے ہیں۔

آپ کا لباس سادہ۔ طرز زندگی خالی از تکلف۔ گفتگو میں اعتقاد کی تربیت اہم جزو تھی۔ علم دین حاصل کرنے والوں کے لیے ہمہ تن شفقت، اہلسنت کے لئے مجسمہ رحمت۔ بداعتقاد لوگوں کے مقابلہ میں برہنہ تلوار، ہر لغزش کو معاف کر دیتے۔ مگر اعتقادی لغزش کو عمر بھر نہ بخشتے۔ شعر گوئی میں کمال حاصل تھا اور قلم بلاجھجک شعروں کی لڑیاں پڑتے جاتا تھا۔ عمر کے آخری بیس سال جامع مسجد سٹی کوتوالی کے حجرہ میں تصنیف و تالیف میں صرف ہوئے۔

آپ کی زندگی کا محبوب ترین مشغلہ سرکارِ دوعالم پر کثرت سے درود پاک پڑھنا تھا۔ رات کے اکثر لمحات و تہجد کے بعد صبح کی نماز کے بعد اشراق کے نوافل کے بعد غرضیکہ دن کا شاید ہی کوئی حصہ ایسا ہو جب درود پاک نہ پڑھا جا رہا ہو۔ علی الصبح سارے طلبا کو بیس ہزار سے زیادہ بار درود پاک پڑھنے کی تاکید تھی۔ درود پاک آپ کی نہ صرف روحانی غذا تھی بلکہ دنیا کے تمام مسائل اسی کی بدولت حل کرتے۔ کوئی مسئلہ آپ کے سامنے ہو کثرت درود سے حل ہوتا۔ یہاں تک کہ درویشوں نے جب بھی روٹی کی کمی کی شکایت کی، فوراً کہہ دیا تم درود پاک پر "خیانت" کر رہے ہو۔ پھر خود اپنی نگرانی میں درود پڑھاتے۔ دوسرے روز ضرورت سے زیادہ کھانا عمدہ اور وافر آتا۔ ؎

حق دہد مانند مرغان روزیت ٭ بر توکل گر بود فیروزیت

طلبا پر بے پناہ شفقت۔ نعتِ رسول خدا سے دلی رغبت تھی۔ جناب غوث الاعظمؓ کی گیارہویں اور ختم خواجگان کو عمر بھر نظرانداز نہیں کیا۔ حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ اور حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کے مزارات کی ہفت روزہ زیارت کبھی نہیں چھوٹی۔ اپنے مرشد مولانا غلام دستگیر قصوریؒ کے وصال کے بعد پیر جماعت علی شاہ لاثانی علی پوری سے فیضیاب ہوئے اور ان کے ارشاد کے مطابق ریاست جموں کے تنگ گذار علاقوں میں تبلیغ و ارشاد کے لئے جاتے۔ اور وہاں کے سادہ عوام کو اعتقادی دولت سے مالا مال فرماتے۔ ان کے دلوں میں عقیدت و محبت کا جو جذبہ تھا اسی سے واضح ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ آپ کو جموں ریلوے اسٹیشن سے پالکی میں بٹھا کر کندھوں پر ہمالیہ کے پہاڑوں کی بلندیوں تک لئے پھرتے۔ اور دل و جان فرش راہ کرتے۔

زیر نظر کتاب "الامتیاز بین الحقیقت والمجاز" آپ کی آخری تصنیف ہے۔ جسے آپ نے تمام اختلافی مسائل کے محاسبہ و محاکمہ کی صورت میں بڑے مدلل انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کتاب میں صرف تین مسائل علم غیب۔ استمداد اور تصرف اولیا کو منشی برکت علی شہید کی نظر ثانی نے زیور طبع سے آراستہ کرانے کے قابل بنایا ہے۔ جناب شہید حضرت مولانا کے محبوب ترین شاگردوں میں سے ہی نہیں بلکہ جانثار خلفا میں سے ہیں۔ آپ گجرات میں مدرس ہیں مگر حضرت سے انس و عقیدت کا یہ عالم کہ اکثر تعطیلات آپ کے زیر نظر گزرتیں۔ علمی مسائل پر اکثر رموز و نکات حاصل کرنے کا شہید صاحب کو آپ کی مجلس میں خاص مقام ملا۔ حضرت کی فیض نظر کا یہ اثر ہے کہ آپ کے بعد یہ سلسلہ فیض جاری ہوا تو اس میں ان کی کوششیں بڑی مفید ثابت ہوئیں۔ ؎ شدیم خاک ولیکن ز بوئے تربت ما ٭ تواں شناخت کزیں خاک مردمے خیزد

اس ضمن میں حضرت کے شاگرد خاص حضرت مولانا ابو علی نسیم خطیب جامع مسجد سٹی کوتوالی کا تذکرہ نہ کرنا بڑی کوتاہی ہوگی۔ ان کی ہمت اور جذبہ سے حضرت کا فیض جاری ہے۔ اور جس مکتب فکر کی آپ نے اپنی زندگی میں بنیاد ڈالی تھی۔ اس کی نشو و نما نسیم صاحب نے حالات کی ناہمواری کے باوجود اپنے ذمہ لی۔ اور حق تو یہ ہے کہ حق شاگردی ادا کر دیا۔ اب تک بچے اسی طرح علم قرآن و علم دین کی دولت سے جھولیاں بھرتے جا رہے ہیں۔ آپ کے کتب خانہ، تصنیفات، مسجد، مدرسہ اور ان تمام روایات کو زندہ رکھنے میں ان کا بڑا حصہ ہے۔ اس کتاب کی اشاعت میں انہوں نے جس کاوش سے کام لیا ہے وہ آپکے خلوص اور حضرت کی تربیت فیض کا خاص ثمرہ ہے۔

سنہ ۱۳۶۴ھ ۱۲ ذیقعد کی رات کو آپ کا وصال ہوا۔ آخری آرامگاہ مسجد کے پہلو میں ہے جہاں ہر سال عرس ہوتا ہے اور حضرت علامہ سید ابوالبرکات سید احمد قادری دامت برکاتہم ناظم مرکزی حزب الاحناف اپنی شرکت سے حضرت مولانا کی اعتقادی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

اس کتاب کی مقبولیت کا فیصلہ ناظرین کی پسند پر ہے۔ اعتقادیات میں تشکک کی جن منزلوں سے ہم گزر رہے ہیں اس کتاب کا مطالعہ مشعل راہ بن سکتا ہے۔

اہل نظر اسے کسی صاحب نظر کے نوادرات سے کم نہیں پائیں گے۔ اہل علم اسے ایک علمی کارنامہ خیال کریں گے
اہل طلب کے لیے خضر راہ بنے گی اور اہلسنت اسے اپنے مایہ ناز مصنف کا کارنامہ تصور کریں گے۔

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ سید المرسلین سیدنا ومولینا محمد و علیٰ آلہ الطاہرین الطیبین واصحابہ المہدیین وآئمۃ المجتہدین وعلماء ربانیین وجمیع المومنین فی کلِ حالٍ وحین آمین یا رب العٰلمین

امّا بعد!

اہل اسلام خصوصاً اہل السنت والجماعت پر مخفی نہ رہے کہ وہابی اور سُنّی متنازعہ فیہ مسائل کو آیات قرآنیہ سے اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق ثابت کرتے ہیں، اور اپنے استدلال کی بنیاد بھی کلام الٰہی پر رکھتے ہیں، جس سے ایک دوسرے کی تکذیب وتردید لازم آتی ہے اور یہ امر بعض اوقات انکارِ نصوص کی حد تک پہنچ جاتا ہے، جس کا انجام وعید شدید اور عذاب مہین ہے مثلاً ایک فرقہ غیر خدا کے لئے علم غیب بہ عطائے الٰہی ثابت کرتا ہے، اور دوسرا اس کی نفی کرتا ہے، مگر دونو اس کو قرآن مجید سے ثابت کرتے ہیں، حالانکہ یہ بات ناممکن ہے، یعنی ایک بات کا صحیح اور دوسری کا غلط ہونا ناگزیر ہے، کیونکہ بہ مصداق و لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً، کلام الٰہی میں اختلاف وتضاد نہیں، علیٰ ہذا القیاس دیگر متنازعہ فیہ مسائل بھی سمجھے جائیں، اور یہ فرق جو بظاہر نظر آتا ہے، یہ حقیقت اور مجاز کا ہے، اور اسی فرق کو دُور کرنا اور حقیقت ومجاز میں توافق وتطابق ظاہر کرنا زیر نظر کتاب کی تالیف کا بڑا مقصد ہے، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے کرام کے اقوال وافعال فعل باری تعالیٰ میں فنا ہوتے ہیں، یعنی فاعل حقیقی وہی ذات پاک ہے، اور فعل کی نسبت دُوسرے کے ساتھ محض مجازی ہے، اس کی مثال خدا تعالیٰ کا یہ قول ان اغنٰہم اللہ تعالیٰ ورسولہ من فضلہ یعنی غنی کر دیا اُن کو اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اپنے فضل سے، اس میں اغنیٰ کا فاعل اور ضمیر واحد کا مرجع حق تبارک وتعالیٰ کی ذات ہے، جس سے ثابت

ہؤا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول وفعل حق تبارک وتعالیٰ کے فعل میں فنا ہے، اسی طرح وَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ میں خُدا نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے فعل قرأت کو اپنی طرف منسوب فرمایا، اور وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی میں نیز اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ میں خدائے تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے افعال کو اپنے افعال کہا، اور یہ اُس کمال قربت ویگانگت کے باعث ہے، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذات باری تعالیٰ سے تھی، نیز فرمایا، اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ اور سورۂ نجم میں فرمایا، وَعَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی، سورۃ الرحمٰن میں عَلَّمَ کا فاعل خود حق تبارک وتعالیٰ ہے، لیکن سورۃ النجم میں عَلَّمَ کا فاعل حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ٹھیرایا، پس اگر ایسے مواقع میں حقیقت ومجاز کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو کلام الٰہی میں تناقض وتباین لازم آتا ہے، اور یہ غیر ممکن ہے، فی الحقیقت علّمہ میں علم کا فاعل بھی خدائے تعالیٰ ہی ہے، یا سورۂ مریم میں دیکھو، آیہ لِاَهَبَ لَکِ غُلٰمًا مذکور میں حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم کو فرماتے ہیں، کہ تمہیں ایک بیٹا بخشنے آیا ہوں، استقصا کرنے سے قرآن مجید میں ایسی اور بھی کئی مثالیں مل سکتی ہیں لیکن ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں:۔

امام الطائفہ وہابیہ اسمٰعیل دہلوی نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں لکھا ہے:۔

"از انجملہ شدت تعلق است بہ مرشد خود استقلالاً نہ باں ملاحظہ کہ ایں شخص ناودان فیض حضرت حق وواسطہ ہدایت اوست، بلکہ بحیثیتکہ متعلق عشق ہماں مے گردد، چنانچہ یکے از اکابر ایں طریق فرمودہ کہ اگر حق جل وعلا در غیر کسوت مرشد من تجلی فرماید، مرا بسوئے او التفات در کار نیست"

اس کا ترجمہ جو غیر مقلدوں نے ہی کیا ہے، یہ ہے، کہ منجملہ آثار عشقیہ کہ اپنے مرشد کے ساتھ استقلالاً تعلق شدید ہو جاتا ہے، یعنی اس لحاظ سے (نہیں) کہ یہ شخص حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد سے ہی عشق کا تعلق ہو جاتا ہے، چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرمائے، تو البتہ میں اس کی طرف التفات نہ کروں گا، مطلب یہ ہؤا کہ مرشد ہی فیض دہندۂ بالاستقلال ہے، صرف وسیلہ اور ذریعہ نہیں، پھر ذرا آگے چل کر بزرگان دین اور باری تعالیٰ کے اتحاد کے ثبوت میں آگ اور لوہے کی مثال بیان کرکے اُسے صحیح حدیث سے یوں مدلل کیا ہے، کہ —— نفس کامل کو رحمانی جاذب کی موجیں احدیت کے دریاؤں میں کھینچ لے جاتی ہیں تو انا الحق ولیس فی جبتی سوی اللہ، یعنی میں خدا تمام جہان کا پروردگار اور میرے ہر دو پہلو میں بجز اللہ کے اور کچھ نہیں، کی آواز اُس سے صادر ہوتی ہے، اور یہ حدیث قدسی ہے، یعنی سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ وَبَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ وَیَدَهُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِهَا وَرِجْلَهُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِهَا ایک اور روایت میں اس حال کی حکایت ہے، زنہار خبردار! اس معاملہ پر تعجب نہ کرنا اور انکار سے پیش نہ آنا کیونکہ جب وادی مقدس کی آگ سے ندائے اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سرزد ہوئی، تو اشرف الموجودات سے جو حضرت ذات سبحانہٗ وتعالیٰ کا نمونہ ہیں، انا الحق کی آواز صادر ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں، اور اسی مقام کے لوازم میں سے ہے، عجیب عجیب

لہ مطبوعہ مجتبائی صـ۱۱ افادہ ۳

خوارق کا صادر ہونا اور قوی تاثیروں کا ظاہر ہونا' دعاؤں کا قبول ہونا' آفتوں اور بلاؤں کا دُور کرنا اور اسی معنی کی تصریح ہیں حدیث شریف قدسی میں موجود ہے لَئِنْ سَأَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اُسے دوں گا' اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے' تو میں ضرور اسے پناہ دوں گا' اور منجملہ لوازم اس کے سے یہ ہے کہ صاحب حال کے دشمنوں' بد اندیشوں پر وبال اور مصیبت ٹوٹ پڑتی ہے' چنانچہ حدیث شریف قدسی مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ اسی مضمون کا فائدہ دیتی ہے' الیٰ قولہٖ' سبحان اللہ! حب عشق کی کیا عمدہ تاثیر اور تجلی علمی کا کیا خوب جذب ہے' کہ یہ ایک مشت خاک اس مقدس اور پاک مقام میں کس قدر چالاک ہو جاتی ہے' اور بیقدر مٹی نے رب الارباب کے قریب مجلس میں کیا عمدہ جائے نشست اور خوبی کا مقام پایا' الخ ترجمہ صراط مستقیم صفحہ ۱۳-۱۴- مطبع احمدی لاہوری' طابع و مترجم میں بھی مؤلف کتاب ہذا کا ہم خیال ہے' لہٰذا اسی ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے' اس سے ناظرین کو بخوبی معلوم ہو گیا' کہ دوستان خدائے تعالےٰ نہ تو خدا ہیں' نہ خدا سے جُدا ہیں' اور ان کے افعال حق تبارک و تعالیٰ کے فعل میں فنا ہیں۔

فقیر کاتب الحروف نے انہی امور کو جن کا نمونہ مشتے از خروارے سطور بالا میں پیش کیا گیا ہے' مدنظر رکھتے ہوئے ہر دو فریق کی اصلاح کے لئے ان کے استدلال اور مواخذ میں تطابق اور توافق ثابت کرنے کی امکانی کوشش کی ہے' تاکہ وہ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کی وعید سے بچیں' وماتوفیقی الا باللہ العلی العظیم

اب ناظرین کرام کا فرض ہے' کہ حقیقت و مجاز کا فرق پیش نظر رکھتے ہوئے ہر دو فریق کے مواخذ ملاحظہ فرمائیں' اور راہِ ہدایت کو اختیار کرتے ہوئے قعرِ ضلالت سے بچنے کی سعی بلیغ کریں۔

• وَاللّٰہُ یَھْدِیْ اِلٰی سَبِیْلِ الرَّشَادِ •

محمد نبی بخش حلوائی عفی عنہ

علم الغیب

غیب کیا چیز ہے؟ یومنون بالغیب کے ضمن میں تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے، والغیب مصدر وصف به للمبالغة كالشهادة فی قوله تعالی عالم الغیب والشهادة والعرب تسمی المطمئن من الارض والخمصة التی تلی الکلیة او فیعل خفف کقیل والمراد به الخفی الذی لا یدرکه الحس ولا یقتضیه بداهة العقل و هو قسمان قسم لا دلیل علیه وهو المعنی بقوله تعالی وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو وقسم نصب علیه دلیل کالصانع وصفاته والیوم الآخر واحواله وهو المراد به۔

ترجمہ۔ اور غیب مصدر ہے بطور مبالغہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، جیسے لفظ شہادت واجب تعالیٰ کے قول عالم الغیب والشہادة میں، باوجود مصدر ہونے کے صفت واقع ہوا ہے عرب والے اپنی زبان میں پست زمین اور محاذ گردہ کو غیب کہتے ہیں، یا غیب قیل کی طرح مخفف ہے، غیب بر فیعل کا، اور مراد غیب سے وہ مخفی امر ہے، جو حواس سے معلوم نہ ہو سکے اور نہ اس کو بداہۃً عقل چاہے، یعنی عقل بلا دلیل معلوم نہ کر سکے، اور یہ غیب دو قسم ہے، ایک قسم یہ ہے، کہ اس پر دلیل عقلی یا نقلی قائم نہ ہو اور یہی غیب عندہ مفاتح الغیب لا یعلمها الا ھو میں مراد ہے، دوسری قسم یہ ہے کہ اس پر دلیل عقلی یا نقلی قائم ہو، جیسے اللہ تعالیٰ اس کی صفات، روز قیامت اور دیگر احوال آخرت، آیت یومنون بالغیب میں یہی غیب مراد ہے (یعنی متقی وہ ہیں جن کو اس قسم کا غیب یعنی خدائے تعالیٰ اس کی صفات کا علم اور عالم آخرت کا علم دلائل عقلیہ اور نقلیہ سے حاصل ہے)۔

علم غیب کے متعلق اہل السنت والجماعت کا عقیدہ:۔

اہل السنت والجماعت بالاتفاق مانتے ہیں کہ غیب دو نوع پر ہے، ذاتی اور عطائی، علم غیب ذاتی ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، اس کی مہربانی سے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کو بعض علوم از قسم غیب حاصل ہوتے ہیں، اس کو علم غیب عطائی کہتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب اسی قسم کا تھا، اور تمام مخلوقات کے مجموعی علم سے زیادہ تھا، لیکن ذات باری تعالیٰ کے علم کے مقابلہ میں ایسا تھا، جیسا سمندر کے مقابلہ میں قطرہ، اور جملہ مخلوقات کا مجموعی علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کے مقابلہ میں ایسا ہے، جیسا کہ سمندر کے سامنے قطرہ، کیونکہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کا اقتضا ہی یہی ہے۔

اب ہم اس عقیدہ کے ثبوت میں آیات قرآنیہ، احادیث، علمائے امت و فقہا کے اقوال و منکرین کی کتب سے حوالے پیش کرتے ہیں۔

علامہ خفاجی حواشی بیضاوی سے نقل فرماتے ہیں، ان معلومات اللہ تعالیٰ لا نہایۃ لها وغیب السموٰت و الارض وما یبدونه وما یکتمونه قطرة منها، بمقابلہ علم الٰہی تمام غیوب ارضی و سماوی قلیل کہا جائے تو بیشک

بجا ہے۔ لیکن انہیں بجائے خود قلیل کہنا اور کثیر نہ ماننا غلطی ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علوم الٰہی سے ایک قطرہ عطا ہوا یعنی آپ کا علم بمقابلہ علم الٰہی قلیل ہے، مگر بجائے خود ایسا وسیع ہے کہ کوئی شئے اُس کے احاطہ سے خارج نہیں، اور تفسیر کبیر میں ہے، وسمی جمیع الدنیا قلیلاً حیث قال قل متاع الدنیا قلیل اس سے ظاہر ہوا کہ نعیم آخرت کے سامنے تمام دنیا کی متاع بھی قلیل ہے، اس طرح حق سبحانہ کے علم کے سامنے تمام مخلوقات کا علم قلیل ہے، لیکن جس طرح ہم اپنے نزدیک تمام دنیا کو قلیل نہیں پاتے اسی طرح تمام مخلوقات کا علم بھی ہمارے نزدیک قلیل نہیں، اگر ہم اُسے فی نفسہ قلیل جانیں تو یہ ہماری بے بصری ہے، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک بادشاہ نے خوش ہو کر اپنے وزیر کو ایک ہزار گاؤں عطا کئے، اُس کا یہ عطیہ اپنی سلطنت کے مقابلے میں کچھ نہیں لیکن اس کی اہمیت ایک تہی دست مفلس سے پوچھئے، وہ اسے متاعِ سلطنت سمجھے گا اور تعجب سے کہے گا کہ بادشاہ نے وزیر کو ہزار گاؤں ہرگز نہیں عطا کئے ہونگے اگر ایسا ہوا ہے، تو بادشاہ سے وزیر رتبہ میں کسی طرح کم نہیں رہا، بلکہ منعم اور منعم علیہ کا امتیاز بھی اُس کے دل سے اُٹھ جائے گا، مختصراً منطقی رنگ میں اس مسئلہ کو یوں بیان کر سکتے ہیں، کہ خدا کا علم عام ہے، اور اُس کے مقابلے میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم خاص ہے، لیکن تمام مخلوقات کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم عام اور مخلوقات کا علم خاص ہے، یعنی تمام مخلوقات کا مجموعی علم رسول اللہ صلعم کے علم کو محیط نہیں ہو سکتا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حق سبحانہ کے تمام علم کو محیط نہیں ہو سکتا مگر اس کے برعکس خدا کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے علم کو محیط اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم مخلوقات کے علم کو محیط ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے، کہ حق تبارک وتعالیٰ اپنے برگزیدہ بندوں کو اپنے خاص علم غیب پر جس قدر چاہیے مطلع بھی کر سکتا ہے کہ نہیں، اگر انکار کریں تو ان اللہ علی کل شئی قدیر کے کیا معنی ہوں گے؟ اگر آیات نفی وآیات اثبات میں (جو علم غیب کو ماسوا کے لئے نفی یا اثبات کرتی ہیں) اگر فرق نہ کیا جائے، تو قرآن مجید کی آیات میں تضاد و اختلاف ماننا پڑیگا جو کسی طرح جائز اور ممکن نہیں، بس ایسی صورت میں ہر دو قسم کی آیات میں تطابق و توافق لازمی امر ہے، ورنہ ایمان کی خیر نہیں، اور یومنون ببعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہونا پڑتا ہے، یعنی حقیقت و مجاز اور ذاتی و عطائی کا فرق مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اب ہم ذیل میں پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے ثبوت میں آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال ائمہ فقہ و دیگر علماء سے دلائل نقل کرتے ہیں، پھر منکرین علم غیب کے دلائل نقل کر کے ان پر محاکمہ کریں گے، انشاء اللہ۔

ادلہ مثبتین علم غیب عطائی

(۱) قرآن مجید میں ہے، عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضٰی من رسول (سورہ جن) یعنی اللہ جل جلالہ عالم الغیب ہے، پس کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں فرماتا، مگر اس پر ظاہر کرتا ہے، جس کو پسند فرمالے رسولوں میں سے، آیت مذکورہ کے تحت صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں، قال ابن الشیخ انہ تعالیٰ لا یطلع

علی الغیب الذی یختص بہ علمہ الا المرتضٰی الذی یکون رسولاً وما لا یختص بہ یطلع علیہ غیر الرسول یعنی ابن الشیخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر جو اُس کے ساتھ مختص ہے' رسول مرتضٰی کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا' اور جو غیب کہ اُس کے ساتھ خاص نہیں ہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرما دیتا ہے' اور تفسیر جمل میں ہے' والمعنی ولکن اللہ یجتبی ای یصطفی من رسلہ من یشاء فیطلعہ علی الغیب اور معنی یہ ہیں' لیکن اللہ جل شانہ چھانٹ لیتا ہے' یعنی برگزیدہ کرتا ہے' اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے' پس مطلع کرتا ہے اُس کو غیب پر' اور وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی کانہ قال الا الرسل فانہ یطلعھم علی الغیب اور یہ استثناء مفصل ہے' یعنی حق تبارک وتعالےٰ اپنے خاص غیب پر مطلع فرما دیتا ہے' اپنے برگزیدہ رسولوں کو' اور اسی آیت کے ضمن میں کتاب الکلمتہ العلیا میں مرقوم ہے کہ اہل تدقیق فرماتے ہیں' کہ لا یظھر غیبہ علی احد نہ فرمایا' کہ اللہ تعالیٰ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں فرماتا' کیونکہ اظہار غیب تو اولیائے کرام پر بھی ہوتا ہے' اور بذریعہ انبیا و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہم پر بھی ہوتا ہے' بلکہ یہ فرمایا' لا یظھر علےٰ غیبہ احد[1] اپنے غیب خاص پر کسی کو ظاہر' غالب' مسلط نہیں فرماتا مگر رسولوں کو' ان دونوں مرتبوں میں کیسا فرق عظیم ہے' اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ کتنا بلند مرتبہ قرآن عظیم سے ثابت ہوا' ان تمام تفاسیر سے یہ نتیجہ نکلا' کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیدا فرما کر علم ما کان وما یکون سے سرفراز فرمایا[2] جس کی بناء پر آپ نے اپنے سے پہلے پچھلے لوگوں اور روز قیامت کی خبریں ظاہر فرمائیں ملخصاً تفسیر عزیزی میں ہے کہ " غیب نام چیزیست کہ از ادراک حواس ظاہرہ وباطنہ غائب باشد' نہ حاضر' تا بمشاہدہ ووجدان دریافت شود واسباب وعلامات آن نیز در نظر عقل وفکر آں در نیاید' تا ببداہت واستدلال دریافتہ شود' بر نابینا عالم الوان غیب است وعالم اصوات' نغمات والحان شہادت' در پیش جنین لذت جماع غیب است' وپیش فرشتگان الم گرسنگی وتشنگی غیب است ودوزخ وبہشت شہادت' لہٰذا ایں قسم راغیب اضافی گویند' وآنچہ نیست نسبت بہمہ مخلوقات غائب است' غیب مطلق است' مثل وقت آمدن قیامت واحکام کونیہ وشرعیہ باری تعالےٰ وہر روز ودر ہر شریعت ومثل حقائق ذات وصفات او تعالیٰ علی السبیل التفصیل' وایں قسم غیب خاص او تعالیٰ می نامند' فلا یظھر علی غیبہ احدا' پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچ کس را مو جہے کہ رفع تلبیس واشتباہ خطا بکلی دراں اطلاع خاص شوند' واحتمال خطا واشتباہ اصلاً نماند' وہمیں اطلاع کہ او را اظہار شخصے بر غیب تو اں گفت بخلاف اطلاع منجمین واطبا وکاہناں ورمالاں وجفریاں وفال بیناں کہ علم ایشاں بہ بعض حوادث کونیہ از راہ استدلال باسباب وعلامات ظنیہ یا اخبار محتملۃ الصدق والکذب جناں وشیاطین تخمینی ووہمی می باشند نہ کہ یقینی' واولیاء را ہر چند علم الہامی یقینی بہ بعض حقائق ذات وصفات یا وقائع کونیہ حاصل می شود' اما تلبیس واشتباہ بجمیع الوجوہ ازاں مرتضٰی نمے گردد' تا اظہار ایشاں بر غیب واستیلا بر آں متحقق گردد' بلکہ اظہار غیب بر ایشاں وانعکاس صورت غیبیہ در آئینۂ وجدان ایشاں است' لہٰذا تکلیف عام باں متحقق نشود' وخود ہم در تحصیل یقین بآں واعتماد بر آں محتاج بہ شواہد کتاب وسنت' کہ اقسام وحی اند می شوند پس اظہار بر غیب ہیچ کس را نہ دہند' الا من ارتضٰی من رسول

---

[1] اللہ تعالیٰ اپنے غیب خاص پر جو اُس کے ساتھ مختص ہے' رسول مرتضٰی کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا' اور جو غیب اُس کے ساتھ خاص نہیں اس پر غیر رسول کو بھی مطلع فرماتا ہے۔

دیگرکسے کہ پسند می کند وآں کس رسول می باشد، خواہ از جنس ملک باشد مثل حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام، خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمدؐ و موسیٰ و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ او را اظہار بر بعضے از غیوب خاصہ خود میفرمایند تا آں غیوب را بہ مکلفین برسانند، و تلبیس و اشتباہ را از وے بکلی دفع می نمایند تا احتمال خطا و ناراستی اصلاً پیرامون آں نگردد، و عامہ مکلفین کہ بدیدن معجزہ تصدیق رسول بشری نمودہ باشند، در وحی ہر رہ برآں اعتماد نمودہ در غلط نیستند و راہِ حق نہ کنند، لہذا در انزال وحی احتیاط بلیغ بکار می برند' الخ۔

عبارت مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ غیب اس چیز کا نام ہے، جو حواس ظاہری و باطنی سے غائب ہو کسی صورت سے اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے، ایک غیب مطلق ہے، جو تمام مخلوقات سے غائب ہے، اور اُس کو کوئی بھی نہیں جان سکتا جیسے قیامت کے آنے کا وقت، اور اس غیب کے اسباب اور نشانات عقل و فکر کی مدد سے نہ پائے جائیں، اور بداہت و استدلال سے دریافت نہ ہو سکے، اور یہ غیب مختلف ہے، ہر شخص کی نسبت چنانچہ مادرزاد اندھے کے آگے جہان کے رنگ غیب ہیں، اور آوازیں وغیرہ ظاہر، عنین کے آگے لذت جماع غیب ہے، فرشتوں کے آگے بھوک پیاس کا رنج غیب ہے، اور دوزخ و بہشت اُن کے لئے شہود ہے، اس قسم کے غیب کو غیب اضافی کہتے ہیں یعنی یہ بعض کے لئے غیب ہے اور بعض کے لئے شہود، اور جو غیب حقائق ذات و صفات باری تعالیٰ سے متعلق ہے، وہ حق تبارک و تعالیٰ سے مختص ہے، اور وہ اس سے کسی کو اس وجہ پر مطلع نہیں فرماتا، کہ اس سے اشتباہ و تلبیس رفع ہو جائے اور احتمالِ خطا و اشتباہ ہرگز نہ رہے، اور خطا و نسیان کا امکان بھی نہ رہے، اور ایسے غیب کو جس میں یہ سب صفتیں پائی جاتی ہوں، کسی پر ظاہر کرنا کہہ سکتے ہیں، بخلاف نجومیوں، کاہنوں، طبیبوں، رملیوں، جفریوں، اور فال دیکھنے والوں کے، کیونکہ ان کا علم جہان کے بعض آنے والے حادثوں پر اسباب و علاماتِ ظنیہ پر استدلال کی راہ سے ہوتا ہے، یا اُن خبروں پر منحصر ہوتا ہے، جو صدق و کذب کی متحمل ہو سکتی ہیں، کیونکہ وہ جنات و شیاطین کے علم سے تعلق رکھتی ہیں، جو وہم و تخمین پر مبنی ہوتا ہے یقین پر نہیں، اگرچہ اولیائے کرام کو بعض حقائق ذات و صفات یا واقعات جہاں کے متعلق علم الہامی یقینی حاصل ہوتا ہے، لیکن اس سے بھی اشتباہ و تلبیس کا ارتفاع من کل الوجوہ ضروری نہیں، تاکہ ان پر اظہار غیب اور غیب پر اُن کا استیلا متحقق ہو جائے، ان پر اظہار غیب اور صورت غیبیہ کا انعکاس ان کے آئینۂ وجدان پر ہوتا ہے، اسلئے اس سے تکلیف عام متحقق نہیں ہوتی، اولیائے کرام خود بھی اپنے علم پر اعتماد و یقین حاصل کرنے میں شواہد کتاب و سنت (جو کہ وحی کے اقسام میں) کے محتاج ہوتے ہیں، پس اظہار بر غیب سوائے ان رسولوں کے جن کو خدائے تبارک و تعالیٰ پسند فرمالے کسی کو حاصل نہیں، خواہ وہ رسول جنسی ملائکہ میں سے ہو، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام خواہ جنس بشر میں سے ہو، جیسے حضرت محمدؐ، موسیٰ، عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات خدائے تعالیٰ ان پر اپنے خاص غیب کو ظاہر کرتا ہے، تاکہ ان کے ذریعے مکلفین تک پہنچے، اور اس میں اشتباہ و تلبیس کا شائبہ نہیں ہوتا، جس سے خطا و ناراستی کا امکان بھی نہیں رہتا، جن لوگوں نے رسول بشری کی تصدیق معجزہ دیکھ کر کی ہوگی، وہ وحی کے بارے میں اُس پر بکلی اعتماد کریں گے اور غلطی میں پڑ کر راہِ حق گم نہیں کریں گے، اسی لئے انزال وحی میں پوری احتیاط پیش نظر

رکھی جاتی ہے ـــــ تفسیر سراج المنیر میں اسی آیت کے ضمن میں ہے، وقال القرطبی المعنی فلا یظھر علی غیبہٖ احداً الا من ارتضی من رسول فانہ یظھرہ علٰے مایشاء من غیبہ لان الرسول مویدون بالمعجزات ومنھا الاخبار عن بعض المغیبات کما ورد فی التنزیل فی قولہ تعالٰے وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم الی قولہ وانکار الکرامات مذھب المعتزلہ واما مذھب اھل السنت فیثبتونھا فانہ یجوزان یلھم اللہ بعض اولیائے وقوع بعض الوقائع فی المستقبل فیخبربہ وھو من اطلاع اللہ تعالٰی ایاہ علی ذالک ویدل علے صحت ذالک ماروی عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انہ قال کان فیمن قبلکم من الامم ناس محدثون من غیران یکونوا انبیاء وان یکن فی امتی احد فانہ عمر اخرجہ البخاری قال ابن وھب تفسیر محدثون ملھمون والمسلم عن عائشۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یقول فی الامم قبلکم محدثون فان یکن فی امتی منھم احدا فان عمر بن الخطاب منھم ففی ھذا اثبات کرامات الاولیائے الی آخرہ، یعنی آیت مذکورہ کی تفسیر میں قرطبی فرماتے ہیں، المعنی قولہ تعالٰی فلا یظھر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول کے یہ معنے ہیں، کہ اللہ تعالٰی اپنے غیوب میں سے جس پر چاہتا ہے اس کو مطلع کرتا ہے، یقیناً رسول معجزات کی مدد سے موید کئے جاتے ہیں، اور ان میں سے بعض رسول بعض مغیبات سے خبر دیتے ہیں، جیساکہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰے کے اس قول میں وارد ہوا ہے کہ میں تمہیں ان چیزوں کی جو تم کھاتے ہو اور جو گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو، خبر دیتا ہوں آہ ۔ اور اولیاء اللہ کی کرامتوں سے انکار معتزلہ کا مذہب ہے، اور اہل سنت ان کی کرامتوں کے ثابت کرنے والے ہیں، اور یہ جائز ہے، کہ خدائے تعالٰی اپنے بعض اولیاء میں سے بعض مستقبل کے واقعات پر الہام کرتا ہے، اور اس کو اس واقعہ کی خبر دے، اور یہ خبر دینا خاص اس کو اس واقعہ پر اللہ تعالٰی کے اطلاع دینے سے ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایت جو انہوں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام سے بیان کی اس کی صحت پر دال ہے آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلی امتوں کے آدمیوں میں سے بعض باوجود نبی نہ ہونے کے الہام کئے جاتے تھے، پس ایسا آدمی اگر کوئی میری امت سے ہے، تو عمر ہے رضی اللہ تعالٰی عنہ، اخرجہ البخاری، ابن وہب نے کہا کہ محدثون کی تفسیر ملہمون ہے، اور مسلم نے عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کی، کہ تم سے پہلی امتوں میں سے محدث ہوا کرتے تھے، پس میری امت میں سے اگر کوئی ایسا ہے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں، اس میں کرامات اولیاء اللہ کا ثبوت ہے، اور یہ وہ امام قرطبی ہیں، جن کی توصیف اور ان کی تفسیر کا معتبر ہونا کشف الظنون سے ثابت ہے، چنانچہ اس میں ہے کہ شیخ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد ابوبکر فرخ انصاری فرزجی، قرطبی، مالکی، متوفی کی تفسیر حدیث اور آیات قرآنی پر مشتمل ہے، تفسیر کبیر میں اسی آیت کے تحت میں ہے، ای وقت وقوع القیامۃ من الغیب الذی لا یظھرہ اللہ لاحد فان قیل فاذا حصلتھم ذلک علی القیامۃ فکیف قال الا من ارتضی من رسول مع انہ لا یظھر ھذا الغیب لاحد قلنا بل یظھرہ عند قرب القیامۃ یعنی وقوع قیامت کا وقت ان غیبوں میں سے ہے جس کو اللہ تعالٰی کسی پر ظاہر نہیں فرماتا، پس جب یہ کہا جائے کہ

جب تم نے اس غیب کو قیامت پر محمول کر لیا، تو پھر جواب دو کہ، اللہ تعالیٰ نے کیسے فرما دیا الا من ارتضی من رسول حالانکہ یہ غیب بھی تو ان غیبوں میں سے ہے، جو کسی پر ظاہر نہیں کیا جاتا؟ تو ہم کہیں گے کہ خدائے تعالیٰ قیامت کے قریب ظاہر فرما دیگا،

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ضمن میں ہے، الا من یصطفیه لرسالته ونبوته فیظهر علی من یشاء من الغیب حتی یستدل علی نبوته بما یخبر به من المغیبات فیکون معجزة له یعنی خدا جس کو اپنی رسالت اور نبوت کے لئے انتخاب کرے اور جس پر وہ چاہے اُس پر غیب کا اظہار فرماتا ہے، تاکہ ان مغیبات سے جن کی وہ خبر دیتے ہیں اُن کی نبوت پر دلیل پکڑی جائے، اور یہ اُن کا معجزہ ہوتا ہے۔

آیت ۲ - وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَاءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِیْمٌ - ترجمہ۔ اور نہیں ہے اللہ کہ مطلع فرمائے تمہیں غیب پر، لیکن اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چُن لیتا ہے، پس اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لاؤ، اور اگر تم اللہ کے ساتھ ایمان لے آؤ اور اُس سے ڈرو تو تمہارے لئے اجر عظیم ہے۔

صاحب التفسیر مدارک التنزیل آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، وما کان اللّٰه لیوتی احد منکم علی الغیوب فلا تتوهموا عند اخبار الرسول بنفاق الرجل واخلاص الآخر انه یطلع علی ما فی القلوب اطلاع الله فیخبر عن کفرها وایمانها ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء الآیة، ای ولکن یرسل الرسول فیوحی الیه ویخبره بان فی الغیب کذا وان فلانا فی قلبه النفاق وفلانا فی قلبه الاخلاص فیعلم ذلک من جهت اخبار الله لا من جهت نفسه، - ترجمہ۔ اور نہیں ہے اللہ تعالیٰ کسی کو تم میں سے علم غیب پر خبردار کرے، پھر نہ وہم کرو نزدیک خبر دینے رسول کے ساتھ نفاق کسی آدمی کے اور دوسرے کے اخلاص کے، کہ وہ بذات خود اپنی طرف سے خبر دے رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ رسولوں کو مطلع فرماتا ہے، اس پر جو دلوں میں ہے، پس وحی کی جاتی ہے طرف اُس کی اور وہ خبر دیتا ہے اس کو ساتھ غیب کے، کہ فلاں کے دل میں نفاق اور فلاں کے دل میں اخلاص ہے، پس وہ رسول اس خبر کو خدا تعالیٰ کے مطلع کرنے سے جانتا ہے، بذاتہ نہیں جانتا۔

تفسیر بیضاوی میں ہے، وکان اللّٰهُ لِیُؤْتِیَ اَحَدَکُمْ علم الغیب فیطلع علی ما فی القلوب من کفر وایمان ولکن الله یجتبی لرسالته من یشاء فیوحی اللّٰهُ ویخبره ببعض المُغیبات اوینصب له ما یدل علیه ترجمہ اور اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو علم غیب نہیں دیتا، تاکہ مطلع کرے اُس چیز پر جو دلوں میں ہے کفر اور ایمان میں سے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رسالت کے لئے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، پھر اُس کی طرف وحی کرتا ہے، اور اُس کو بعض غیبوں کی خبر دیتا ہے، یا اُن کے لئے ایسے دلائل قائم کرتا ہے جو غیب پر دلالت کرتے ہیں۔

تفسیر خازن میں ہے، لکن الله یصطفی ویختار من رسله من یشاءُ فیطلعهٗ علی بعض علم الغیب۔ ترجمہ۔ لیکن اللہ انتخاب کر لیتا ہے، رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور اُس کو اطلاع دیتا ہے بعض علم غیب پر۔

تفسیر جمل میں ہے، المعنی لکن الله یجتبی ان یصطفی من رسله من یشاء فیطلعه علی الغیب یعنی یہ

ل جلد اول صفحہ ۳۲۱ - مطبوعہ مصر علی الخازن۔

ہیں کہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اُس کو مطلع کرتا ہے غیب پر ۔

تفسیر کبیر میں ہے، فاما معرفتُ ذالك علی سبیل الاعلام من الغیب فھو من خواص الانبیاء

ترجمہ ۔ لیکن ان باتوں کا بطریق غیب پر مطلع ہونے کے جان لینا انبیاء کرام کی خصوصیت ہے ۔

تفسیر رُوح البیان میں ہے، فاِنّ غیب الحقائق والاحوالِ لا ینکشفُ بلا واسطة الرسول یعنی حقائق اور احوال کے غیب رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے واسطہ کے بغیر منکشف نہیں ہوتے ۔

تفسیر جلالین میں ہے، فاکان اللہ لیطلعکم علی الغیب فتعرفوا المنافق قبل التمیز ولکن اللہ یجتبی و یختار من یشاء فیطلع علی غیبه کما اَطلَعَ النّبیَّ علیه السّلام علی حال المنافقین ۔ ترجمہ :۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ تمہیں علم غیب پر مطلع کر دیتے تو منافقین کو پہچان لیتے ۔ لیکن اللہ تعالیٰ چُن لیتا ہے اور غیب پر اختیار دے دیتا ہے ۔ جسے چاہے ۔ جیسا کہ اُس نے نبی علیہ السّلام پر منافقین کے حالات کو واضح کر دیا تھا ۔

نوٹ ۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں بعض علم غیب کہا ہے تو اُن کے بعض سے خدا تعالیٰ کے علم غیب کے مقابلے میں بعض مراد ہے، نہ کہ مخلوق کے مقابلے میں علم ماکان و مایکون بھی خدا کے علم کا بعض ہے ۔

آیت ۳ ۔ وانزل اللہُ علیك الکتٰب والحکمة وعلمك مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیك عظیما

ترجمہ ۔ اور اتاری ہے خدائے نے تجھ پر کتاب اور حکمت اور سکھائی تجھے (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ بات جو تُو نہ جانتا تھا، اور ہے خدا تعالیٰ کا فضل تجھ پر بہت بڑا ۔

جلالین میں علمك مالم تکن تعلم کے ضمن میں ہے، ای من الاحکام والغیب یعنی احکام اور علم غیب خازن میں ہے، یعنی من احکام الشرع و امور الدین وقیل علمك من علم الغیب مالم تکن تعلم وقیل معناہٗ علمك من خفیات الامور واطلعك علی ضمائر القلوب وعلمك من احوال المنافقین وکیدھم، ترجمہ :۔ یعنی احکام شریعت اور امورِ دینیہ اور کہا جاتا ہے کہ آپ کو علمِ غیب سے واقف کر دیا گیا ۔ جسے وہ پہلے نہ جانتے تھے ۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کو علوم کے معنی اور رازہائے قلوب حتیٰ کہ منافقین کے حالات و فریب سے بھی مطلع فرما دیا تھا ۔

تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ضمن میں ہے، آں علم ماکان و مایکون ہست، کہ حق سبحانہ در شب اسرا بداں حضرت عطا فرمود، چنانچہ در حدیث معراج ہست، کہ من در زیر عرش بودم، قطرہ در حلق من ریختند فعلمتُ ماکان و مایکون ترجمہ ۔ جو علم خدائے تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شب معراج میں عطا فرمایا، وہ ما کان و مایکون کا علم ہے، چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ میں عرش کے نیچے تھا، کہ ایک قطرہ میرے حلق میں ڈالا، پس میں نے گذشتہ اور آئندہ کے حالات معلوم کر لئے ۔

مشکوٰۃ شریف باب المساجد میں ہے عن عبد الرحمن بن عائش، قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم رأیت ربی عزوجل فی احسن صورة قال فیما یختصم الملاء الاعلیٰ قلت انت اعلم قال

فوضع کفہ بین کتفی فوجدت بردھا بین ثدی فعلمت مافی السمٰوٰت والارض وتلا وکذلک نری ابراھیم ملکوت السمٰوات والارض ولیکون من الموقنین رواہ الدارمی مرسلاً، ترجمہ۔ عبدالرحمٰن بن عاش سے مروی ہے، کہ انہوں نے کہا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب عزوجل کو اچھی صورت میں دیکھا، رب نے فرمایا کہ ملائکہ کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ تو ہی بہتر جانتا ہے، فرمایا سرورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر میرے رب عزوجل نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھا، میں نے اس کے وصولِ فیض کی سردی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان پائی، پس جان لیا میں نے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال کے مناسب آیت تلاوت فرمائی اور وہ یہ آیت ہے، وکذلک نری ابراھیم الخ یعنی اسی طرح دکھلاتے ہیں ہم نے ابراہیمؑ کو ملک آسمانوں اور زمینوں کے، تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں، وضع کف مزید فضل، غایت تخصیص ایصال فیض، عنایت، کرم، تکریم اور انعام سے کنایہ ہے، اور سردی پانا حصول اثر فیض اور حصول علم سے کنایہ ہے، بلشہ الحمد کہ اس حدیث سے آفتاب کی طرح ثابت ہو گیا کہ ہمارے آقا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہر چیز کا علم عطا ہوا، حدیث مذکورہ میں حرفِ مَا عمومیت پر دال ہے، جیسے کہ یہ حرف لہٗ مافی السمٰوات ومافی الارض میں عمومیت پر دال ہے، مگر بعطاءِ الٰہی جل وعلیٰ نہ کہ بالذات، حدیث مذکورہ قولہ تعالیٰ لقد رای من اٰیات ربہ الکبریٰ کے مطابق و موافق ہے، اور اس کی تائید حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں (جلد اول ص ۲۶۳) فعلمت ای بسبب وصول ذلک الفیض مافی السمٰوات والارض یعنی ما اعلمہ اللہ تعالیٰ مما فیھما من الملٰئکۃ والاشجار وغیرھا عبارۃ عن سعۃ علمہ الذی فتح اللہ بہ علیہ وقال ابن حجر ای جمیع الکائنات التی فی السمٰوات بل ما فوقھا کما یستفاد من قصۃ المعراج والارض ھی بمعنی الجنس ای وجمیع ما فی الارضین السبع بل وما تحتھما کما افادہ اخبارہ علیہ السلام عن الثور والحوت الذین علیھما الارضون کلھا یعنی ان اللہ اریٰ ابراھیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ملکوت السمٰوات والارض وکشف لہ ذلک وفتح علی بابواب الغیوب الحاصل اس فیض کے حصول سے میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو آسمانوں اور زمین میں ہے، یعنی جو کچھ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تعلیم فرمایا، اُن چیزوں میں سے جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، ملائکہ اور اشجار وغیرہما سے، اس سے حضور صلعم کے وسعت علم سے مراد ہے، جو خدا تعالیٰ نے حضرت پر کھول دیا، علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ مافی السمٰوات سے آسمانوں بلکہ اُن سے بھی اُوپر کی تمام کائنات کا علم مراد ہے، جیساکہ قصہ معراج سے مستفاد ہے، اور ارض بمعنی جنس ہے، یعنی وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں بلکہ ان سے بھی نیچے ہیں، سب معلوم ہو گئیں، جیساکہ حضورؐ کا ثور (بیل) اور حوت (مچھلی) کی خبر دینا جن پر سب زمینیں ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک دکھائے، اور اُس کو ان کے لئے کشف فرمایا، اور مجھ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیبوں کے دروازے کھول دیئے، اور ایسا ہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے "اشعۃ اللمعات" میں فرمایا ہے، کہ زمین و آسمان

ؔ۱ لفظ ید متشابہات سے ہے جس کی کیفیت مجہول ہے ۔ ؔ۲ مطبوعہ کلکتہ ص ۲۶۲-۲۶۳۔

کے علوم اور ان پر احاطہ کرنا بھی تحریر ہے، اور مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ ص۲ میں بروایت معاذ بن جبلؓ ایک حدیث میں یہ الفاظ مروی ہیں، آنحضرت فرماتے ہیں، فاذا انا بربی تبارک وتعالٰی فی احسن صورۃ فقال یا محمد قلت لبیک رب فیما یختصم الملاء الاعلٰی قلت لا ادری قالہا ثلثا قال فرأیت وضع کفہ بین کتفی حتی وجدت برد انا ملہ بین ثدیی فتجلّی لی کل شیء وعرفت۔ ترجمہ۔ پس ناگاہ میں اپنے پروردگار کے ساتھ ہوں اچھی صورت میں، پروردگار نے فرمایا، یا محمدؐ، عرض کی میں نے حاضر ہوں یا پروردگار، خدا نے فرمایا، کہ ملاءِ اعلٰی کس بات میں جھگڑتے ہیں، میں نے عرض کیا، میں نہیں جانتا، یہ امر تین مرتبہ دریافت فرمایا، پھر میں نے دیکھا کہ خدا نے اپنا دست قدرت میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھا یہاں تک کہ مجھے اُس کے پوروں کی سردی اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان معلوم ہوئی پس مجھ پر ہر چیز ظاہر ہوگئی اور میں نے سب کچھ پہچان لیا۔

اور کتاب الکلمۃ العلیا کے ص۱۲ پر مشکوٰۃ شریف کے باب المعجزات سے ایک حدیث بروایت ابی ہریرہؓ رضی اللہ عنہ منقول ہے، کہ ایک بھیڑیا کسی گڈریے کی طرف آیا، اور ریوڑ میں سے ایک بکری پکڑ لی، گڈریے نے تعاقب کر کے بکری کو چھڑا لیا، (ابوہریرہ کہتے ہیں کہ) بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گیا، اپنی دم دونو ٹانگوں کے درمیان کر کے کہنے لگا، کہ اللہ تعالٰی جو رزق مجھے دیا تھا، وہ تو نے مجھ سے لے لیا، گڈریے نے تعجب سے کہا، واللہ میں نے آج تک کوئی بھیڑیا کلام کرتے نہیں دیکھا، بھیڑیے نے کہا، اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز ایک شخص کا حال ہے، جو دو سنگستانوں کے درمیان کھجور کے درختوں یعنی مدینہ میں ہے، وہ شخص گذشتہ اور آئندہ دنیا اور عقبیٰ کی سب خبریں دیتا ہے، وہ گڈریا یہودی تھا، یہ واقعہ دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حضورؐ کو اس تمام واقعہ کی خبر دی، اور اسلام لایا، حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی خبروں کی تصدیق کی، سبحان اللہ کہ جانور تو حضور صلعم کو عالم ماکان وماھو کائن جانیں مگر انسان اس بارے میں متذبذب رہیں یا انکار کریں، علامہ علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ جلد۵ ص۳۷۵ میں، یخبرکم بما مضی وماھو کائن کی شرح یوں کرتے ہیں، یخبرکم بما مضی اے بما سبق من خبر الاولین ومن قبلکم وماھو کائن بعدکم ای من نبئ الاخرین فی الدنیا ومن احوال الاجمعین فی العقبٰی، اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گذشتہ اور آئندہ واقعات دنیا اور عقبٰی کی خبر دیتے ہیں۔

آیت ۴ - وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ، اس آیت میں استثناء متصل ہے، یعنی اللہ تعالٰی کے خاص علم میں سے انبیائے کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام بقدر ما یشاء احاطہ کر سکتے ہیں، شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ "اشعۃ اللمعات" میں فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عائش نے آپ سے روایت کی، فعلمت ما فی السموات والارض پس دانستم ہر چہ در آسمانہا و در زمین بود عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی و کلی و احاطہ آنہا و خواند آنحضرتؐ مناسب ایں حال و بقصد استشہاد بر امکان آن ایں آیت را وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموٰات والارض و ہمچنیں نمودیم ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام را ملکِ عظیم تمامہ آسمانہا را و زمین را لیکون من الموقنین تا کہ گردد ابراہیم از یقین کنندگان بوجوہ ذات و صفات و توحید و اہل تحقیق گفتہ اند، کہ

تفاوت است درمیان این دو روایت، زیرا کہ خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ملک آسمان و زمین را دید و حبیب ہر چہ در زمین و آسمان بود، حالی از ذوات وصفات و ظواہر و بواطن ہمہ را دید، و خلیل حاصل مراد را یقین بوجوب ذاتی و وحدتِ حق بعد از دیدنِ ملکوت آسمان و زمین چنانکہ حال اہل استدلال و ارباب سلوک و محبان و طالبان می باشد و حبیب حاصل شد مراد را یقین و وصول الی اللہ اوّل، پس ازان دانست عالم را و حقائق آن را چنانکہ شانِ مجذوبان و محبوبان و مطلوبان است، و اول موافق است بقول ما رأیت شیئاً الا رأیت اللہ قبلہ و شتان ما بین علماء علامہ طیبی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں، والمعنی انہ کما رای ابراھیم ملکوت السموات والارض کذلک، فتح علیّ ابواب الغیوب حتّٰی علمتُ ما فیھا من الذوات والصفات والظواھر والمغیبات۔ الکلمۃ العلیا صفحہ ۱۰-۱۱۔

آیت ۵ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ یعنی سکھادیا آدمی کو جو کہ وہ نہ جانتا تھا، تفسیر فتح العزیز میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں۔ "خبر صادق کہ از انبیائے نوع خود محسوسات و معقولات آنہارا شنیدہ باور کنند، و در دریافت مطالب بکار برد، وچوں مخبر از بنی نوع بر در رنگ ایں کس در دام حواس و عقل گرفتار است، چیز ہائیکہ از حد حواس و عقل بالاتر است، خارج از خطائر انسانی مانند آن را بانزال وحی تعلیم فرمودند کہ وحی علم الٰہی بتوسط ملائکہ عظام بنوع انسان برسد و بکار بیاید، و الہام و کشف و نہفت و ہوالف و تمثل امور غیبیہ کہ عرفاء و اولیاء را بتوسط ارواح انبیاء علیہم السلام و طفیل اقتدائے آنہا حاصل می شود، ہمہ از توابع وحی است ترجمہ۔ سچی خبر جو اپنے قسم محسوسات و معقولات کو آدمی سن کر باور کرے، اور ان کے مطالب پانے میں کاربند ہو، اور جب خبر دینے والا انسان اسی رنگ میں۔۔۔ عقل اور حواس کے دام میں گرفتار ہے، وہ چیزیں جو حد عقل اور حواس کی قسم سے بالاتر ہیں، جو خطائے انسانی سے خارج ہو اس کی مانند انزال وحی سے تعلیم فرماتے ہیں، کیونکہ وحی الٰہی ملائکہ عظام کے وسیلہ سے نوع انسان تک پہنچتی ہے، اور اس پر عمل کیا جاتا ہے، اور الہام، کشف اور ہتف و ہواتف اور ان کی مانند دوسرے امور غیبی جو کہ عارفوں اور اولیاء کو ارواح انبیاء علیہم السلام کے توسط سے ان کی اقتدا کی بدولت حاصل ہوتے ہیں، سبھی وحی کے تابع ہیں، پس جب اولیاء اللہ کو امور غیبیہ پر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وسیلے سے آگاہ کیا جاتا ہے، تو انبیائے کرام کی غیب دانی میں کیا اشتباہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کے علم سے بعض علم کو اپنے بعض پر قیاس کرنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعتِ علمی سے انکار کے مترادف ہے، کیونکہ ہمارے علم کا بعض خدائی علم کے بعض سے کوئی نسبت نہیں رکھتا، ع چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

بخاری شریف باب کتاب التفسیر آیت، فلما جاوزا قال لفتاہ آتنا غداءنا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا کے ضمن میں ہے حدثنا ابی بن کعب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال قام موسٰی خطیبا فی بنی اسرائیل فقیل لھا ای الناس اعلم فقال انا فعتب علیہ اذ لم یرد العلم الیہ واوحی علی عبدٍ من عبادی بلی عبدٌ من عبادی لمجمع البحرین ھو اعلم منک قال ای رب کیف السبیل الیہ قال تاخذ حوتا الخ۔

قَالَ فَسَلَّمَ اِلَیہ موسیٰ وانّی بارضك السّلام فقال انا موسٰی فقال موسٰی بنی اسرائیل قال نعم قال هل اتبعك علٰی ان تعلمنی مما علمت رشدا قال له الخضر یا موسٰی انك علٰی علم من علم الله علمكه الله لا اعلمهٗ وانّی علٰی علم من علم الله علمنیهٗ الله لا تعلمهٗ قال فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شئی حتّی احدث لك منه ذکرا فانطلقا یمشیان علی الساحل فمرت بهما سفینة نعرف الخضر فحملوهم فی سفینتهم بغیر نول یقول بغیر اجر فرکبا السفینة قال ووقع العصفور علٰی حرف السفینة فغمس منقاره البحر فقال الخضر لموسٰی ما علمك وعلمی وعلم الخلائق فی علم الله الا مقدار ما غمس هذا العصفور منقاره ؎۔

ترجمہ - پس سلام کرد بر آں مرد موسیٰؑ، گفت کجاست زمینے کہ تو ئی سلام، پس گفت منم موسیٰؑ گفت آن مرد موسیٰؑ بنی اسرائیل ہستی گفت موسیٰؑ آرے، ہمراہی کنم ترا برین کہ بیاموزی مرا از آنچہ دانندہ شدہ رشد را گفت موسیٰؑ را خضر علیہ السلام، ای موسیٰ تو بر علم رسوخ داری از معلومات خدا کہ تعلیم کردہ خدا ترا آن علم کہ نمے دانم آن را ومن راسخ بر علم از علوم خدائم کہ تعلیم کردہ مرا آن علم نمے دانی تو آن را، گفت موسیٰ تبعیت می کنم ترا، گفت خضر اگر متابعت می کنی مرا پس سوال مکن مرا از چیزے، تا آنکہ من حدیث کنم، وبگویم ترا ازان چیز ذکرے، پس رفتند ہر دو وحالیکہ گام می زنند بر کنار دریا، پس گذشت بہ ہر دو کشتی، پس شناختہ شد خضر علیہ السلام پس برداشتند ایشاں را بے مزد تفسیر کردہ راوی نول را بغیر اجر، پس سوار شدند بر کشتی، گفت وافتاد گنجشکے بر کنارِ کشتی پس فرو برد منقار خود در دریا پس گفت خضر اے موسیٰ نیست دانائی تو ودانائی من ودانائی ہمہ آفریدگان در جنب علم خدا مگر مقدار فرو بردن ایں گنجشک منقار خود را۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم الٰہی کی وسعت کو کوئی نہیں پا سکتا، جب ہم دعویٰ کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ماکان ومایکون حاصل تھا، تو اس سے ہماری مراد یہ اور صرف یہ ہے کہ جملہ مخلوقات کے مجموعی علوم سے آپ کا علم زیادہ تھا، جس کا اندازہ خدائے تعالیٰ کے بغیر کسی کو معلوم نہیں، مگر وہ آپ کا سب علم خدا کے علم کا بعض تھا، جس کی مثال اوپر گذر چکی ہے، یعنی اتنا جتنا چڑیا کی چونچ کا تر ہونا، بمقابلہ بحر ذخار کے، معلوم نہیں کہ منکرین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علمی سے اتنی کد کیوں رکھتے ہیں، اور اس کو اپنے پیمانوں سے ماپنے کی فضول کوشش کر کے خسران الدنیا والاخرہ کے مستوجب کیوں بنتے ہیں، نیز مفصلہ بالا عبارات کی موجودگی میں اہل سنت والجماعت کے صحیح عقیدہ سے انحراف کرنے میں کیا حکمت جانتے ہیں۔

آیت ۱۶ - وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا، اور سلام خدا تعالیٰ کا ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی کہ مروں میں اور اس دن کہ پھر اُٹھوں میں جیتا یعنی قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ مجھ پر سلام رہے، اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارہ میں ہے والسلام علیہ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا حضرت عیسیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو اپنی سلامتی کی خبر دیدی، کہ پیدائش کے وقت مجھ پر سلامتی ہے، دنیا سے

؎ الحدیث تحصیل القاری شرح صحیح بخاری ج ۲ - مصنفہ محدث نور الحق ابن شیخ عبد الحق دہلوی حمطبوعہ مطبع علوی لکھنوی صفحہ ۲۴۲ - ۲۴۳۔

انتقال کرتے وقت بھی اور قیامت کے دن بھی اور اسی طرح حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق بھی ابتدائی حالت اوسط وانتہا میں سلامت رہنے کی خبر دی گئی، ان آیات کی موجودگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بدظنی بے معنی ہے، کہ آپ کو اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہ تھی، منکرین آیت ما ادری ما یفعل بی کو آپ کے عدم علم کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں حالانکہ یہ آیت منسوخ ہے، جب وہ شیطان کے علم کو نص قطعی سے صحیح مانتے اور حضورؐ کے علم قطعی سے انکار کرتے ہیں، اور خدا تعالےٰ کے مطلع کرنے سے بھی غیب کے علم پر اعتقاد کرنے کو شرک قرار دیتے ہیں، تو اس حالت میں ان کا ایمان شیطان لعین پر ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں، وما ادری کے متعلق مفصل بحث ہم منکرین کے اعتراضات کے جواب میں کریں گے انشاء۔

آیت ۷ - فاوحیٰ اِلیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ترجمہ پس ہم نے وحی کی اپنے بندے پر جیسے حق تھا، اس آیت میں وحی کی عظمت وشان کا بیان ہے، ایک قول ہے، کہ نمازوں کے متعلق وحی تھی، بعض کہتے ہیں کہ وحی یہ تھی، کہ بہشت نبیوں پر اُس وقت تک جب تک آپ اُس میں قدم نہ رکھیں، حرام ہے، اور دیگر امتوں پر بھی جبتک آپ کی امت اس میں داخل نہ ہو حرام ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وحی اسرار وحقائق اور ان معارف سے متعلق تھی، جن کے سوائے خدا اور اُس کے رسول ص کے اور کوئی نہیں جانتا، اور آیت وكان فضل الله عليك عظيما کی تفسیر میں نیشاپوری میں ہے، کہ علم کی شرافت دے کر خدا نے آپ کو بزرگ فرمایا، اور اس کے مقابلے میں دنیا کو قلیل کہا، بعض مفسرین کہتے ہیں، کہ اس میں احکام شرع کے متعلق اشارہ ہے، اور اکثر تفاسیر میں ہے، کہ اس سے وہ علم غیب مراد ہے جس سے منافقین کے حالات، پوشیدہ باتیں اور دلوں کے بھید آپ پر آئینہ ہو گئے، اور متعدد تفاسیر میں ہے، کہ اس سے وہ تعلیم مراد ہے، جس سے آپ کو احکام شرع، امورِ دین اور علوم غیبیہ کا حصول ہوا، اور تفسیر زاہدی میں ہے، کہ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ سے مراد وہ کلام ہے جو خدائے تعالیٰ نے اول سے آخر تک آپ سے کیا، اور جس کے جاننے سے جملہ مخلوقات مع انبیاء ورسل کے عاجز ہے۔

تفسیر رُوح البیان میں ہے، کہ آپ کا علم جمیع معلومات غیبیہ ملکوتیہ کو محیط ہو گیا، جیسا کہ حدیث بحث ملائکہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا، کہ حق تعالےٰ نے اپنا کفِ قدرت میرے شانوں پر رکھا جس کی سردی میرے پستانوں تک پہنچی، پس میں نے اولین وآخرین کے علم کو جان لیا، اور ایک روایت میں ہے، کہ علم ہر اُس چیز کا جو ہو چکی اور ہو گی اور محدث دہلوی مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کچھ جبروت اور لاہوت سے کشف کیا گیا، اور جو کچھ عجائب ملکوت سے آپ نے مشاہدہ فرمایا، وہ بیان نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اُس کا ایک ادنیٰ جزو بھی سننے کا تحمل عقل وفہم انسانی میں نہیں اس لئے رمز، اشارہ اور کنایہ سے جو دلیل تعظیم ہے، بیان فرمایا، فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ آہ پس قرآن مجید اور معتبر تفاسیر سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی کثرت ووسعت بمقابلہ جمیع مخلوقات متحقق ہوئی، منکرین کے اس خیال خام سے اُن کے دل کی بیماری کا اظہار ہوتا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم محیط کائنات نہیں، اور ابلیس کا علم محیط ہے، نعوذ باللہ من ہذا الخرافات۔

بیضاوی کے حاشیہ شہاب میں آیت واعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون کے نیچے چلپی سے نقل کر کے لکھتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ کے معلومات بے نہایت یعنی وراء الورا ہیں' آسمانوں اور زمینوں کے غیب نیز وہ چیز جو فرشتے ظاہر کرتے اور چھپاتے ہیں' خدا کے علوم سے ایک قطرہ ہیں' اور عقیدہ شرح قصیدہ بردہ شریف میں حضرت علامہ خربوتی من علومک علم اللوح والقلم کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ کیسی ہے ؟ -

وقد جعل الله لهٗ ثلاثمائة وستين سنا كل سن يعرب عن ثلاثمائه وستين صنفاً من العلوم الاجمالية فيفصلها فی اللوح' قال شیخ محی الدین ابن عربی اعلم ان الله تعالیٰ لما تجلی للقلم اشتق منهٗ موجود آخر سماه اللوح وامر القلم ان يتدلی اليه ويودع فيه جميع مايكون الی يوم القيامة انتهی' وقال الشعرانی فی كتاب اليواقيت والجواهر (فی عقائد الاكابر) فان قلت فهل اطلع احد من الاولياء علی عدد الحوادث التی كتبها القلم علی اللوح الی يوم القيامة فالجواب قال الشيخ فی الباب الثامن والستين بعد المائة من الفتوحات المكية نعم انا ممن اطلعهٗ الله تعالیٰ علی ذلك وقال الشيخ اطلعنی الله علی عدد امهات علوم ام الكتاب وهو مائة الف نوع وتسعه وعشرين الف نوعٍ وستمائه نوع كل نوع منها يحتوی علی علوم انتهی الی قوله ان الله اطلعه عليه السلام علی ماكتب القلم فی اللوح المحفوظ وزاده ايضاً لان اللوح والقلم متناهيان فمافيها متناه ويجوز احاطة المتناهی بالمتناهی وقال الشيخ زاده هذا علی قدر فهمك واما من اكتحلت عين بصيرته بالنور الالٰهی فيشاهد بالذوق ان علوم اللوح والقلم جزء من علومه كما هی جزء من علم الله تعالیٰ ۔

ترجمہ ۔ تحقیق خدا نے لوح محفوظ کے تین سو ساٹھ دندانے بنائے' اور ہر ایک دندانے میں تین سو ساٹھ اقسام کے علوم اجمالی ہیں' اور لوح محفوظ میں ان کی تفصیل کی گئی ہے' حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کے لئے تجلی فرمائی' تو اس سے دوسری چیز مشتق ہو گئی' اس کا نام لوح محفوظ رکھا' اور قلم کو حکم دیا کہ جو کچھ تیرے پاس ہے لوح کے سپرد کیا جائے' یعنی وہ سب کچھ جو قیامت تک ہونے والا ہے' اور امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب یواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر میں فرمایا کہ آیا خدا تعالیٰ نے ان امور پر جو قلم نے لوح پر لکھے' کسی کو مطلع فرمایا ہے' یا نہیں' اس کا جواب شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے ایک سو اڑسٹھویں باب میں دیا ہے' وہ فرماتے ہیں' کہ مجھے ان امور کے متعلق اطلاع دی گئی' نیز فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے امہات علوم ام الکتاب کے تعداد معلومات کی اطلاع دی' اور ان علوم کے ایک لاکھ ستائیس ہزار اقسام ہیں' اور ان اقسام میں سے ہر ایک قسم متعدد علوم پر حاوی ہے' الیٰ قولہٖ ۔

حق تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان علوم سے جو قلم نے لوح پر لکھے مطلع فرمایا' لوح و قلم متناہی ہیں' اور جو کچھ ان میں ہے' وہ بھی متناہی ہے' اور متناہی پر متناہی کا محیط ہونا جائز ہے' شیخ علیہ الرحمۃ نے کہا کہ یہ زیادتی جو آپ کے علوم کے متعلق مذکور ہوئی یہ تیری سمجھ کے اندازے پر ذکر کی گئی ورنہ آپ کے علوم کثرت و وسعت کے لحاظ سے احاطہ فہم و ادراک سے باہر ہیں' اور جس کی چشم بصیرت انوار الٰہی سے منور ہوئی ہے وہ اپنے ذوق سے مشاہدہ کرتا ہے کہ لوح قلم کے علوم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم کا ایک جزء ہیں' جیسا کہ وہ علوم الٰہی کا ایک جزء ہیں ۔

قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں علامہ محمد صادق ومن علومك علم اللوح والقلم کے ضمن میں فرماتے ہیں، کہ علم تو محیط بجمیع اشیاء، آنچہ بر صفحہ لوح محفوظ از زبان قلم رسیدہ الی قولہٖ ومراد از لوح لوح محفوظ کہ قلم اعلیٰ بحکم قادر مختار نقد بر است جمیع مخلوقات را در آں ثبت کردہ ومصون از تغییر وتبدیل اور فاوحی الی عبدہٖ ما اوحی کے متعلق تفسیر نیشا پوری اور روح البیان وتاویلات ابو المنصور ماتری وغیرہا سے منقول ہو چکا ہے، کہ آپ کو علم قیامت بہ تعلیم الٰہی حاصل تھا، مگر آپ اس کے کتمان پر مامور تھے اور کیوں نہ ہو کہ آخر آیت سورۂ لقمان میں اسم خبیر مذکور ہے جس کے معنے خبر دہندہ بھی ہیں، نیز جب قرآن وحدیث سے دیگر چاروں امور ثابت ہیں تو پانچویں کی نفی کیونکر ہو سکتی ہے،

ہاں ذاتی علم غیب کی نفی پر ہمارا ایمان ہے، اور ایسا ہی علم غیب بہ عطائے الٰہی پر بھی ایمان ہے اگر آیات نفی واثبات میں توفیق وتطبیق کا لحاظہ نہ ہو تو آیات میں مخالفت اور مجادلہ لازم آتا ہے، جو کسی طرح جائز نہیں ہے، اور منکرین آیات اثبات علم غیب سے انکار کر کے یؤمنون بہ بعض الکتاب ویکفرون ببعض کا مصداق ہوتے جاتے ہیں،

آیت ۸۔ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۔ تفسیر عرائس البیان میں ہے، اس آیت کے تحت میں لکھا ہے ای ما فرطنا فی الکتاب ذکر احد من الخلق لکن لا یبصر ذکرہٗ فی الکتاب الا المؤیدون بانوار المعرفتہ یعنی اس کتاب میں مخلوقات میں سے کسی کا ذکر نہیں چھوڑا، مگر اس کو کوئی اُس آدمی کے سوا نہیں دیکھ سکتا جس کی تائید انوار معرفت سے کی گئی ہو، انوار التنزیل میں ہے، یعنی اللوح المحفوظ فانہٗ مشتمل علی ما یجری فی العالم من جلیل ودقیق لم فیہ امر حیوان والجماد کتاب سے لوح محفوظ عبارت ہے، اور ان حالات پر مشتمل ہے، جو دنیا میں ہوتے ہیں، خواہ بہت بین یا باریک، اور اُس میں حیوان وجماد کا ذکر نہیں چھوڑ گیا، خازن میں ہے، ان القرآن مشتمل علی جمیع الاحوال اب کتاب سے اگر مراد قرآن شریف لیں تو بھی اور اگر لوح محفوظ لیں تو بھی اس امر پر یقین کرنا پڑیگا کہ کوئی چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے خارج نہیں، وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ یہاں بھی کتاب مبین سے مراد یا قرآن مجید ہے، یا لوح محفوظ اور رطب ویابس سے مراد ماضی ومستقبل کے واقعات یا مقدورات کونیہ مراد ہیں اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وسعت علم سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اگر کوئی معترض اعتراض کرے کہ قرآن مجید تو ہمارے سامنے موجود ہے، پھر ہم کیوں مقدورات کونیہ سے آگاہ نہیں تو اس کے جواب میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر پڑھ دینا کافی ہے :-

جمیع العلم فی القرآن لٰکن　　تقاصر عنہ افہام الرجال

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق قصور فہم کا گمان ہی نہیں :-

آیت ۹۔ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ (اور وہ خبر غیب دینے میں بخیل نہیں)، خازن میں ہے، یقول انہٗ علیہ السلام یاتیہ علم الغیب فلا یبخل بہ علیکم بل یعلمکم یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس غیب آتا ہے، اور وہ اُس میں تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ سکھاتے ہیں، اور یہ امر اُسی وقت ممکن ہے، جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب حاصل ہو، اور آپ لوگوں کو اس سے مطلع فرماتے ہوں :-

ویکون الرسول علیکم شہیدا، خازن میں ہے، ثم یوتی بمحمد علیہ السلام فیسالہٗ عن حال امتہ فیزکیھم ویشھد بصدقھم یعنی قیامت کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا جائیگا، پھر خدائے تعالیٰ آپ سے آپ کی امت کا حال پوچھیگا، پھر آپ ان صفائی اور سچائی کی گواہی دیں گے، اور ایسا ہی تفسیر مدارک میں بھی ہے تفسیر عزیزی میں ہے، کہ رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ، وحقیقت ایمان او چیست، وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است، پس او می شناسد گناہانِ شمارا واخلاص ونفاق شما را لہٰذا شہادت او در دنیا وآخرت بحکم شرع درحق امت مقبول واجب العمل است، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نور نبوت کی مدد سے اپنے دین میں ہر متدین کے رتبے سے اطلاع رکھتے ہیں، نیز وہ جانتے ہیں کہ میرے دین میں وہ کہاں تک پہنچا اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے، اور وہ کونسا حجاب ہے، جس کی بدولت وہ ترقی سے محروم رہا پس آپؐ تمہارے گناہوں اور اخلاص ونفاق کو پہچانتے ہیں، اسلئے آپ کی شہادت دنیا اور عقبیٰ میں امت کے حق میں شرعاً مقبول اور واجب العمل ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ حق تبارک وتعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا کیا، ایسی نصوص اور دلائل و نصح کے باوجود اس سے انکار کرنا محرومیٔ ایمان کی علامت ہے، خدا اس سے بچائے۔

تفسیر عزیزی میں مذکورہ عبارت کے آگے مندرج ہے، آنچہ فضائل ومناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج واہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل ادریس ومہدی ومقتول دجال یا از مصائب ومثالب حاضراں وغائباں مے فرمایند، اعتقاد برآں واجب است، وازین است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتان خود مطلع سازند کہ فلانے امروز چنیں میکند وفلانے چناں، تا روز قیامت ادائے شہادت تواں کرد۔

اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ اپنے زمانے میں موجودہ لوگوں کے فضائل ومناقب مثلاً صحابہ، ازواج اور اہل بیت کے متعلق یا ان لوگوں کے متعلق جو آپ کے زمانے میں نہیں، مثلاً ادریس، مہدی یا مقتول دجال وغیرہ فرماتے ہیں، یا اپنے زمانے میں موجود یا غائب لوگوں کی برائیاں بیان فرماتے ہیں، تو اس پر اعتقاد رکھنا واجب ہے، اسی بنا پر روایات میں آیا ہے، کہ ہر نبی کو اس کی امت کے احوال سے مطلع کرتے ہیں، کہ فلاں آج یہ اور فلاں وہ کام کرتا ہے، تاکہ قیامت کے دن وہ اپنی امت پر گواہی دے سکے۔

اگرچہ کلام الٰہی میں اور بھی متعدد آیات ایسی ہیں، جو علم غیب کے ثبوت میں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ اہل ایمان کی تشفی اور قلبی طمانیت کے لئے تو ایک آیت کا درج کردینا بھی کافی ہے، مگر ہم نے منکرین پر اتمام حجت کے لئے اس قدر آیات درج کی ہیں، اور عین ممکن ہے، کہ ان میں سے کوئی اہل انصاف خالی الذہن ہو کر ان پر غور وخوض کرے، اور بتائید ایزدی دولت وایمان وایقان سے مالا مال ہو، لیکن جس نے بصیرت کی آنکھوں پر جہالت اور تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے، اس کے لئے اطمینان کا کوئی طریقہ نہیں، اب ہم اپنے دعوے کے مزید ثبوت کے لئے ذیل میں چند احادیث بھی درج کرتے ہیں، اور ناظرین سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان سے سرمایۂ حسن یقین حاصل کریں گے۔

(۱) حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنی مسند میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت

کرتے ہیں؛ اور طبرانی میں حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے لَقَدْ ترکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما یحرک طائر جناحیہ اِلَّا ذکر لنا منہ علما یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا اور کوئی پرندہ اپنے پر نہیں ہلاتا، مگر اُس کا علم ذکر ہم سے فرما دیا (اور اس کا علم ہمیں بتا دیا) اس میں یہ تردد لاحق ہوتا ہے:۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن قیامت تک کے سب حالات بتائے، یہ کیونکر ممکن ہے کیونکہ ایک دن وسعت نہیں رکھتا کہ اُس میں اتنا بڑا کام سرانجام ہو سکے، اس کے جواب میں ہم عمدۃ القاری شرح بخاری کی عبارت نقل کرتے ہیں؛ دلالتٌ علیٰ انّہٗ اخبر فی المجلس الواحد بجمیع احوال المخلوقات من ابتدائھا الی انتہائھا فی ایراد ذٰلک کلہ فی مجلسٍ واحدٍ امر عظیمٌ من خوارق العادۃ کیف وقد اعطی مع ذٰلک جوامع الکلم یعنی اس حدیث میں اس امر پر دلالت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ہی مجلس میں مخلوقات کے ابتداء سے لے کر انتہا تک جملہ حالات کی خبر دی اور ایک ہی مجلس میں سب حالات کا بیان فرما دینا ایک بڑا معجزہ ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے، جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو معمولی وقفے میں تمام زبور پڑھنے کی طاقت عطا کی گئی تھی، مشکوٰۃ المصابیح باب بدء الخلق وذکر الانبیاء علیہم السلام ص۵۰۱ میں ہے:۔

عن ابی ھریرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال خفف علی داؤد القراٰن فکان یامر بدوابہ فتسرج فیقراء القراٰن قبل ان تسرج دوابہ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام قرآن (زبور) پڑھنا آسان کیا گیا تھا پس وہ اپنے گھوڑوں پر زین کسنے کا حکم دیتے، اور آپ زین کسے جانے سے پہلے زبور ختم کر لیتے، اس حدیث کے تحت میں مظاہر الحق جلد چہارم ص۴۸۹ میں ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے زمانہ کو طی وبسط کرتا ہے، یعنی کبھی زیادہ زمانہ تھوڑا اور کبھی تھوڑا زمانہ زیادہ ہو جاتا ہے، سیدنا حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی منقول ہے، کہ ایک رکاب میں پاؤں رکھتے اور قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیتے اور دوسری رکاب میں پاؤں آنے تک ختم کر لیتے۔ (۲) عن عبد اللہ بن عمرو قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم وفی یدیہ کتابان فقال اتدرون ماھذان الکتابان قلنا لا یا رسول اللہ الا ان تخبرنا فقال للذی فی یدہ الیمنی ھذا الکتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل الجنۃ واسماء اٰبائھم وقبائلہم ثم اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً ثم قال للذی فی شمالہ ھذا الکتاب من رب العلمین فیہ اسماء اھل النار واسماء اٰبائھم وقبائلہم ثُمّ اجمل علیٰ اٰخرھم فلا یزاد فیھم ولا ینقص منھم ابداً (مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان باب الایمان بالقدر فصل ثانی حدیث سوم، مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور):۔

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ہماری طرف اپنے ہاتھوں میں دو کتابیں لئے ہوئے تشریف فرما ہوئے، اور فرمانے لگے کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کتابیں کیا ہیں، ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نہیں جانتے، مگر یہ کہ آپ ہمیں خبر دیں، پس فرمایا کہ یہ کتاب جو ہمارے دائیں ہاتھ میں

ہے یہ رب العالمین کی طرف سے ہے، اس میں اہل بہشت ان کے والدین اور قبائل کے نام ہیں، پھر ان میں سے آخری نام پر حساب مجمل کیا گیا (کہ تمام جنتی اتنے ہوئے) پس ان میں کمی بیشی نہ کی جائے گی، پھر فرمایا جو کتاب بائیں ہاتھ میں ہے یہ بھی رب العالمین کی طرف سے ہے، اس میں اہل دوزخ معہ ولدیت و قبیلہ درج ہیں، پھر ان میں سے آخر والے پر حساب مجمل کیا گیا (کہ تمام دوزخی اتنے ہوئے) پس ان میں بالکل کمی بیشی نہ کی جائے گی، الی آخرہ، رواہ ترمذی۔ اس کی شرح میں شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ محدث و محقق دہلوی، اشعۃ اللمعات (جلد اول ص۱۰۱ مطبوعہ نولکشور) میں فرماتے ہیں، کہ کشف کردہ شد برآں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقت ایں امر و مطلع شد براں چنانکہ شد و خفائے نماند، در آں تمثیل و تصویر کرد معنی حاصل در قلب شریف بچیزیکہ گویا در دست اوست و حالانکہ در خارج کتابے نیست و نوشتہ نہ و اہل باطن و ارباب مکاشفہ گویند کہ وجود کتاب حق است و محمول بر حقیقت بے شائبہ مجاز و تاویل۔

(۳) قَالَ اَتَاکِ انشاء اللہ غلاماً یکون فی حجرک (مشکوٰۃ شریف باب مناقب اہل بیت) بروایت ام فضل وارد ہے کہ اُس نے (ام فضل نے) حضور علیہ السّلام کی خدمت میں عرض کیا، کہ میں نے آج رات ایک ناپسند خواب دیکھا ہے، حضور نے پوچھا، وہ کیا؟ اس نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا ہے کہ ایک ٹکڑا آپ کے جسم کا کاٹ کر میری گود میں رکھا گیا، حضرت نے سُنکر فرمایا کہ یہ خواب تو اچھا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا، وہ تیری گود میں ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔

(۴) اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہٗ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہٗ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یعنی جب کسریٰ ہلاک ہوگا، تو اُس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا، اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اُس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا، یہ بات آپ نے اُس وقت ارشاد فرمائی جب کہ کسریٰ و قیصر کی عظمت شان اپنی انتہائی بلندی پر تھی، اور کسی آدمی کے ذہن میں بھی اُن کے زوال کا خیال نہ آتا تھا، لیکن تاریخ بلکہ آج تک کا مشاہدہ اس پر شاہد ہے، کہ جو کچھ آپ نے فرمایا، وہ حرف بحرف پورا ہُوا، اور ایران میں کسریٰ کی شاہنشاہیت اور روم میں قیصر کی شہنشاہیت کا خاتمہ اس طرح ہُوا کہ ایران میں مجوسی شہنشاہ اور روم میں رُومی شہنشاہ کا وجود کسی کو نظر نہ آیا۔

(۵) خیبر میں یہودیوں کی زبردست طاقت کی موجودگی نے اسلامی لشکر کے کئی حملے ناکام بنادیئے، ایک دن آپ نے فرمایا، لاعطین ھذہ الرایۃ غداً رجلاً یفتح اللہ علی یدیہ یحب اللہ ورسولہٗ ویحبہ اللہ ورسولہٗ یعنی کل میں یہ علَم اُس شخص کے ہاتھ میں دونگا، جس کے ہاتھ پر کل فتح ہو جائے گی، اور وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے، اور خدا اور رسول اُس کو پیار کرتے ہیں، پھر دنیا شاہد ہے، کہ جس طرح آپ نے فرمایا تھا اُسی طرح وقوع میں آیا۔

(۶) صحیح البخاری کتاب العلم میں ہے، ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ بعض صحابہ نے آپ سے کچھ سوالات کئے، جو آپ کی طبع مبارک پر ناگوار گزرے، پھر آپ نے پُرجوش انداز میں کہا، سلونی عما شئتم یعنی مجھ سے جو چاہو دریافت کرو، جس کے جواب میں کچھ حضرات نے مختلف سوالات کئے، اور اُن کے صحیح جوابات پائے، آپ

بار بار فرماتے تھے، کہ پوچھو مجھ سے پوچھو مجھ سے، یہ حالت دیکھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، کہ یا رسول اللہ صلعم ہمیں اللہ اپنا رب، محمدؐ، اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے ۔

(۷) ایک غزوہ میں ایک شخص بڑی تندہی سے دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں جنگ کر رہا تھا، بعض صحابہ کرام نے اُس کے جانبازانہ حملوں کی بنا پر اُس کی تعریف کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ جہنمی ہے، اس پر صحابہ کرام کو تعجب ہُوا، ایک صحابی تفتیش حال کے لئے اُس کے پیچھے ہوئے اور دیکھا کہ لڑائی میں اُسے ایک زخم آیا، لیکن اُس نے بے صبری کی اور خودکشی کر لی، وہ صحابی آنجناب صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور حقیقت حال سے خبر دی، اور شہادت دی کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں، اصل واقعہ سے آگاہ ہو کر صحابہ کا تعجب رفع ہُوا ۔

اسی طرح ایک اور شخص کسی غزوہ میں قتل ہُوا، اور کسی نے آکر خبر دی، کہ فلاں آدمی شہید ہُوا، آپ نے سُن کر فرمایا، کہ شہادت اُس کی قسمت میں نہیں، کیونکہ وہ مالِ غنیمت میں سے ایک عبا چرانے کی وجہ سے دوزخ میں ہے، اور میں نے خود اُسے دوزخ میں دیکھا ہے ۔ ملخصاً !

(۸) آپ نے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ارشاد فرمایا کہ خلافت (حکومت الٰہیہ) تیس برس تک رہے گی، پھر ملوکیت ہو جائے گی، یہ مدتِ خلافت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر ختم ہوتی ہے :۔

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک کنواں دیکھا، اُس پر ڈول پڑا ہُوا تھا، میں نے کنوئیں میں سے پانی کے اتنے ڈول نکالے، جتنے خدا نے چاہے، پھر یہ ڈول ابن قحافہ (صدیق اکبرؓ) نے لیا، اور ایک دو ڈول پانی نکالا لیکن ان پر ضعف کا اثر تھا، عفا اللہ تعالیٰ عنہ، پھر یہ ڈول جسامت میں بہت بڑھ گیا، تو ابن خطاب (فاروق اعظمؓ) نے ہاتھ میں لیا، اور بڑی ہمت سے کھینچا، میں نے کسی طاقتور کو اس طرح کھینچتے نہیں دیکھا، حتیٰ کہ حوض پانی سے لبریز ہو گیا، اور پینے والے چاروں طرف بکثرت جمع ہو گئے (ملخصاً) اس میں شیخین کی خلافت کا اشارہ ہے، جسے خدائے تعالےٰ نے پورا کر دیا ۔

(۹) صحیح بخاری مناقب ابوبکر اور جامع ترمذی مناقب عثمان میں ہے، کہ ایک دفعہ آپؐ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی معیت میں کسی پہاڑ پر تشریف فرما تھے، کہ اچانک پہاڑ لرزنے لگا، آپؐ نے فرمایا، کہ اے پہاڑ ٹھہر جا تجھ پر ایک رسول، ایک صدیق اور دو شہید ہیں، اس میں حضرت عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شہادت کی طرف اشارہ تھا ۔ (ملخصاً) ۔

(۱۰) صحیح بخاری میں ہے، کہ ایک دفعہ آپ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے متعلق فرمایا، کہ میرے اس فرزند کے ذریعے سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا، چنانچہ آپ کے زمانۂ خلافت میں ایسا ہی ہُوا، اسی طرح آپ نے حضرت علی، حضرت امام حسین، حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شہادت کی خبر دی، اور آپ نے آئندہ واقعات کے متعلق اس قدر پیش گوئیاں کیں، جن کا احاطہ مشکل ہے، اور وہ سب کی سب حرف بحرف پوری ہوئیں، قرآن مجید، کتب احادیث اور مستند تاریخیں اس امر کی شاہد ہیں ۔

سلہ صحیح البخاری کتاب الجہاد ۔ سلہ جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول ۔ سلہ جامع ترمذی کتاب الفتن ۔

اب ہم ذیل میں مقتدر علمائے امت کے اقوال بھی درج کرتے ہیں، جن میں مسئلہ پر اظہار خیال ہے، اور جن سے اس مسئلہ میں بے دینوں کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی پڑتی ہے۔

(۱) علامہ محمد صادق علی قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں بہ تحت "ومن علومك علم اللوح والقلم" فرماتے ہیں:۔
"علم تو محیط است بجمیع اشیاء آنچہ بر صفحۂ لوح محفوظ از زبان قلم رسیدہ" الیٰ قولہٖ "ومراد از لوح لوح محفوظ کہ قلم اعلیٰ بحکم قادر مختار تقدیرات جمیع مخلوقات را دراں ثبت کردہ، ومصون است از تغیر وتبدیل" یعنی آپ کا صلی اللہ علیہ والہ وسلم علم تمام اشیاء پر جو زبان قلم سے صفحۂ لوح محفوظ تک پہنچی ہیں محیط ہے، ..... اور لوح سے مراد لوح محفوظ ہے جس میں قادر مطلق کے حکم سے قلم اعلیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیریں تحریر کر دی ہیں، اور وہ ہر قسم کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہے۔
ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسی کے تحت میں فرماتے ہیں، "وکون علمہما من علومہ علیہ السلام تتنوع الی الکلیات والجزئیات وحقائق ومعارف وعوارف تتعلق بالذات والصفات وعلمہما یکون نہراً من بحور علمہ وحرفاً من سطور علمہ"۔ اور لوح محفوظ کے علوم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا ایک جزو ہیں، کیونکہ آپ کے علوم کلیات جزئیات حقائق، معارف اور اُن کے عوارف سے جن کا تعلق ذات صفات سے ہے، پر منقسم کیا اسلئے لوح محفوظ کا علم علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی ایک نہر ہے، اور آپ کی سطور علم میں سے ایک حرف ہے"۔
اگر یہاں معترض اعتراض کرے، کہ اگر لوح محفوظ کا علم آپ کے علم کا ایک جزو ہے، تو دوسرے اجزا کونسے ہیں، اس کا جواب یہ ہے، کہ لوح محفوظ میں صرف قیام قیامت تک کے حالات مندرج ہیں، لیکن آپ واقعات قیامت اور مابعد قیامت سے بھی آگاہ ہیں، لیکن اس کے باوجود آپ کا علم متناہی ہے، لا متناہی علوم صرف ذات باری تعالیٰ کے ہیں، جس کی ابتدا اور انتہا نہیں۔ شہید عفی عنہ)۔
مدارج النبوۃ میں حضرت شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث نے ارقام فرمایا ہے "وی صلی اللہ علیہ وسلم دانا است بہمہ چیز از شیونات واحکام الٰہی واحکام، وصفات حق واسماء وافعال وآثار وبجمیع علوم ظاہر وباطن واول وآخر احاطہ نمودہ، ومصداق فوق کل ذی علم علیم شد" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ تمام اشیاء، شیون، احکام الٰہی، صفات حق، اسماء افعال اور آثار کے جاننے والے ہیں، اور تمام علوم ظاہری وباطنی، اولین وآخرین پر احاطہ فرما کر فوق کل ذی علم علیم کے مصداق ہوئے، نیز اسی کتاب میں ہے "از زمان آدم تا نفخہ اولیٰ بروئے علیہ السلام منکشف ساختند تا ہمہ احوال او را از اول وآخر معلوم گردد، و یاراں خود را نیز از بعضے احوال خبر داد" حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نفخہ اولیٰ تک کے حالات آپ پر منکشف فرمائے، تاکہ اول سے آخر تک تمام حالات آپ کو معلوم ہو جائیں۔
علامہ ابن تیمیہ حرانی نے صحیحین کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے (الفرق بین اولیاء اللہ واولیاء الشیطن) کہ حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام اور موسیٰ کلیم اللہ کے مابین بحث ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ابوالبشر کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا، آپ میں اپنی روح پھونکی، اور ملائکہ سے آپ کے لئے سجدہ کرایا، مگر آپ نے ہمیں اور اپنے آپ کو جنت سے نکالا، حضرت ابوالبشر علیہ السلام نے جواب میں کہا کہ خدا نے آپ کو صفت کلیمی سے

برگزیدہ کیا، آپ کو تورات عطا فرمائی، مجھے یہ تو بتایئے کہ آپ نے میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے یہ آیت لکھی ہوئی دیکھی، وَعَصیٰ اٰدمُ ربَّہٗ فغوٰی، موسیٰ علیہ السّلام نے جواب دیا کہ چالیس سال پہلے، حضرت آدم علیہ السّلام نے فرمایا کہ پھر آپ مجھے ایسی بات پر کیوں ملامت کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میری تقدیر میں لکھ دی تھی، یہ جواب سُن کر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو خاموش ہونا پڑا ۔

ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں، کہ حضرت آدم اور موسیٰ علیہ السّلام کے زمانوں میں بُعد المشرقین ہے، پھر یہ مکالمہ کس طرح اور کہاں ہوا اور کہاں ہوا ؟ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو پتہ چلا، کہ یہ آیت آدم علیہ السّلام کی پیدائش سے چالیس سال پہلے ہی لکھی جا چکی تھی ؟ حضور علیہ السّلام تک یہ بات کیونکر پہنچ گئی ؟ کیا ان سوالات کے جوابات امورِ غیبیہ میں سے نہیں ؟ اگر ہیں (اور یقیناً ہیں) تو پھر مخالفین غیب عطائی کے منکر ہو کہ کئی نصوص اور احادیث کا کیوں انکار کرتے ہیں، جس سے ارتکاب کفر لازم آتا ہے ۔

ہم ذیل میں منکرین کے دلائل نقل کرتے ہیں، اور ساتھ ہی مثبتین علم غیب کے جواب بھی درج کرتے ہیں، فریقین کے دلائل کے بعد ہم مختصر مگر فیصلہ کن محاکمہ لکھیں گے، انشاء اللہ !

آیت ۱ - وعندہٗ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو " یعنی غیب کی کنجیاں اُسی کے پاس ہیں، اور غیب کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ ۔

الجواب - آیت مذکورہ علم غیب ذاتی کی نفی ہے، نہ کہ غیب عطائی کی، اگر علم غیب عطائی کی نفی تسلیم کی جائے تو اُن آیات کے کیا معنی ہونگے، جو اثبات علم غیب میں پیش کی گئی ہیں، اور متعدد تفاسیر سے جو مستند حوالے پیش کئے گئے ہیں، اُن کی کیا تاویل کی جائے گی ۔

فائدہ لطیفہ - عندہٗ مفاتیح الغیب اور لہٗ مقالید السمٰوٰت والارض میں اہل ایمان کو کچھ اور ہی بات نظر آتی ہے، یعنی مفاتیح کا پہلا اور آخری حرف (م ح) مقالید کے پہلے اور آخری حرف (م د) سے ملانے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اسم پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم بنتا ہے، یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو خدائے تعالیٰ کے خزانۂ علوم کی کنجیاں عطا ہوئیں، اور اہل ایمان کو اس میں ذرا بھی شک نہیں، کیونکہ ان کا تو پہلے ہی یہ عقیدہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارک ہی قاسم العلوم والانعام ہے، اور خدائے تعالیٰ کا فضل وانعام جس پر جس حالت میں بھی ہو، آپ کی روح پاک کی معرفت ہی ہوتا ہے، جس طرح حضرت علی کرم اللہ وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوم کا دروازہ تھے انا مدینۃ العلم وعلی بابہا، اسی طرح خدائے تعالیٰ کے علوم غیبیہ واسرار خفیہ کے خزائن کے کلید بردار آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، اور یہ بات امر واقعہ اور حقیقت کی جان ہے، بخاری شریف میں عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا، اُعطیتُ مفاتیح خزائن الارض یعنی زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں ۔

پس آیت مذکورہ اور دیگر آیات واحادیث میں جن میں علم غیب کا اثبات ہے، یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ تعلیم الٰہی کے بغیر آپ علوم الٰہیہ کو نہیں جانتے، اور بہ تعلیم الٰہی سے بعض غیوب آپ کو حاصل ہیں، یعنی علوم الٰہی کے خزانوں

کی کنجیاں آپ کو بعطائے الٰہی حاصل ہوئی ہیں، اپنی ذات سے نہیں، اور اہل سنت والجماعت کی تفاسیر کا خلاصہ بھی یہ ہے کہ آپ کا علم غیب عطائی ہے، ذاتی نہیں، اور تفسیر احمدی میں لکھا ہے، کہ مفاتیح الغیب سے وہ پانچ غیوب مراد ہیں، جو سورۃ لقمان کے آخر میں بیان ہوئے، اور اُن کا حاصل ہونا بہ تعلیم الٰہی اپنے موقعہ پر آئے گا۔

تفسیر رُوح البیان میں آیت عندہٗ مفاتیح الغیب ــــ آہ کے تحت میں لکھا ہے، فعلم ان الغیب مختص باللہ تعالیٰ وماروی عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم اللہ تعالیٰ امّا بطریق الوحی او بطریق الالہام والکشف۔ فلا ینافی ذلک اختصاص علم الغیب بما لا یطلع علیہ الا الانبیاء والاولیاء والملٰئکۃ کما اشار الیہ بقولہٖ عٰلم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہٖ احداً الا من ارتضٰی من رسولٍ۔ اھ۔

ترجمہ۔ پس معلوم ہوا کہ علم غیب حق تعالیٰ سے خاص ہے، اور انبیاء اولیاؑ سے جو غیب کی خبریں دینی مروی ہیں، پس وہ خدا کی تعلیم سے ہیں، یا بطریق وحی یا بطور کشف والہام، پس جس علم پر سوائے انبیاء اولیاؑ اور ملائکہ کے کوئی مطلع نہیں ہوتا، وہ حق تعالیٰ سے ہی خاص ہے، جیساکہ آیت عٰلم الغیب فلا یظہر ــــ الخ کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے، (مواہبؒ لدنیہ، انوار محمدیہؒ، مدخل ابن حاجؒ اور زرقانی شرح مواہب میں لکھا ہے۔

لَا فَرْقَ بَیْنَ مَوْتِہٖ وحیاتہٖ فی مشاھدتہٖ لامتہٖ ومعرفتہٖ باحوالھم ونیاتھم وعزئمھم وخواطرھم وذلک عندہٗ جلیٌ لاخفاءبہٖ، انوار محمدیہ اور مواہب کے اسی صفحہ پر عبارت مذکورہ کے تحت میں فرمایا ہے فان قلت ھذہ الصفات مختصۃٌ باللہ تعالیٰ فالجواب من انتقل الی عالم البرزخ من المومنین یعلم احوال الاحیاء غالباً وقد وقع کثیراً من ذلک کما ھو مسطورٌ روی ابن المبارکؒ عن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ لیس من یَوْمٍ الّا ویعرض علی النبی اعمال امتہٖ غدوۃ وعشیاً فیعرف سیماھم واعمالھم ولذالک یشھد علیھم کما قال اللہ تعالیٰ وجئنا بک شھید ا (بدور السافرہ ومواہب من عینیہ)

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندگی اور وفات کی حالت میں اپنی امت کے احوال، نیات، ارادے، اور قلبی وساوس کے دیکھنے اور پہچاننے میں برابر ہیں، اور یہ بات اُن کے نزدیک جلی ہے خفی نہیں، اور ابن مبارکؒ نے سعید بن مسیب سے روایت کیا، کہ ہر روز امتیوں کے اعمال جو کہ وہ صبح اور شام کرتے ہیں آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش کئے جاتے ہیں، پس آپ ان کے چہروں سے ان کے اعمال کو پہچانتے ہیں (خواہ وہ اعمال زبانی ہوں یا دلی، بدنی ہوں یا مالی، اچھے ہوں یا بُرے)، اسی بنا پر آپؐ قیامت کے دن امت کے اعمال نیک وبد کی شہادت دیں گے، اور اعمال بد پر امت کی رستگاری کے لئے شفاعت فرمائیں گے۔

اور زرقانی میں عبارت مذکور کے بعد فرماتے ہیں، (من انتقل عالم البرزخ من المومنین) الکاملین (یعلم احوال الاحیاء غالباً) باعلام اللہ تعالیٰ (تعرض علی الانبیاءؑ والآباء والامھات یوم الجمعۃ فیفرحون بحسناتہم وتزداد وجوہہم بیاضاً واشراقاً فاتقوا اللہ ولا توذوا امواتکم (رواہ الترمذی الحکیم) ترجمہ اور مومنین میں سے

۱؎ ص ۳۸۷ جلد دوم مطبوعہ مصر ۲؎ ص ۳۸۱ مطبوعہ مصر ۳؎ ص ۱۲۶ جلد اول مطبوعہ مصر۔

جو دنیا سے عالم برزخ کی طرف انتقال فرماتے ہیں (یعنی کامل مومنین) اکثر زندوں کے احوال کو جانتے ہیں باعلام الٰہی اور ایک حدیث کی رُو سے پیش کئے جاتے ہیں' ان کے اعمال ہر جمعرات اور پیر کے دن خدا تعالیٰ کے سامنے' ان کے حالات ہر جمعہ کے دن ان کے والدین اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں' پس وہ اُن کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور اُن کی چہروں پر سفیدی اور روشنی زیادہ ہوتی ہے' پس تم اللہ سے ڈرو اور اپنے فوت شدگان کو اعمال بد سے' ایذا نہ دو (رواہ الترمذی) اور یہی حدیث امام ابو عبداللہ قرطبی کے تذکرہ سے ابن حاج نے مدخل میں نقل کی ہے ۔

آیت ۲ ۔ تقویت الایمان ص۳۱ میں لکھا ہے' قال اللہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون' اس آیت کا مطلب مفسرین نے یہ لکھا ہے' کہ تمام غیبی علوم ذاتی طور پر خدا کے بغیر کوئی نہیں جانتا' اور یہ پہلے بیان ہو چکا ہے' کہ ذاتی علم غیب صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہی ہے' اور آیت میں اسی کی نفی ہے' یعنی تمام غیبی علوم کوئی نہیں جانتا' نیز بغیر بتائے کسی کو معلوم نہیں' تفسیر مدارک میں ہے' وَالْغَیْبُ مالم یقم علیہ دلیل' ولا اطلع علیہ مخلوق یعنی غیب وہ ہے' جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو' اور کسی مخلوق کو اس پر مطلع نہ کیا گیا' یعنی غیب ہے ہی وہی بات جس کی کسی کو بھی اطلاع نہ ہوئی ہو' یعنی جس غیب کی کسی کو بھی طور پر اطلاع مل گئی' وہ غیب غیب نہ رہا' نہ اُس کو غیب کہا جا سکتا ہے' اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلا کہ غیب صرف ذاتی ہے' اور جن آیات میں علم کی نفی ہے' وہ اسی ذاتی غیب کی ہی ہے ۔

آیت ۳ ۔ و ممن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم' اس آیت سے بھی منکرین علم غیب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم غیب کی نفی کی ہے' حالانکہ اس میں علم غیب ذاتی کی نفی ہے' یا اُس حالت کا ذکر ہے جس میں کہ آپ منافقین کے نفاق کو ظاہر کرنے پر مامور نہ تھے' پھر جب آپ مامور ہوئے تو آپ نے منافقین کو اُن کے نام لے لے کر مسجد سے باہر نکال دیا' اور یہ امر بھی مسلّمات سے ہے' کہ آپ کی آخری حالت پہلی حالت سے بلحاظ علم و کمالات بلند اور بہتر تھی' کیونکہ آپ ساعت بہ ساعت ارتقا کی منازل طے کرتے جاتے' کما قال اللہ تعالیٰ وللاخرۃ خیر لک من الاولیٰ نیز آپ کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا' وقل رب زدنی علماً' یعنی اے محبوب آپ ترقی علم کی دعا کریں' اور اپنے پروردگار کو کہیں' کہ اے میرے پروردگار زیادہ کر میری سمجھ کو (موضح القرآن)

تفسیر کبیر میں ممن حولکم من الاعراب منافقون کے تحت میں لکھا ہے عن السدی عن انس بن مالک فقال اخرج یا فلان فانک منافق اخرج یا فلان فانک منافق' فاخرج من المسجد ناساً ففضحھم توجمہ ۔ سدی نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی' کہ حضورؐ نے فرمایا' کہ نکل اے فلاں کہ تو منافق ہے' اور نکل اے فلاں کہ تو منافق ہے' پس آپ نے منافقوں کو مسجد سے نکال دیا' اور انہیں ذلیل و رسوا کیا' اور تفسیر درمنثور میں امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن جریر اور ابن ابی حاتم سے اور طبرانی نے اوسط میں اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے آیت مذکورہ کے ضمن میں لکھا ہے' قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

يوم الجمعة خطبًا فقال قم يا فلان فاخرج فانك منافق فاخرجهم باسمائهم ففضحهم ولم يكن عمر ابن الخطاب شهيد تلك الجمعة لحاجته كانت له لقيهم عمر رضى الله تعالى عنه وهم يخرجون من المسجد فاختبأ عمر منهم استحياء انه لم يشهد الجمعة وظن الناس قد انصرفوا واختبؤا هم من عمر وظنوا انه قد علم بامرهم فدخل عمر رضى الله تعالى عنه المسجد فاذا الناس لم ينصرفوا فقال الرجل ابشر يا عمر فقد فضح الله المنافقين اليوم فهذا العذاب الاولى والعذاب الثانى فى القبر۔

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو فرمایا کہ اے فلاں اُٹھ کہ تو منافق ہے پھر منافقوں کو ان کے نام لے لیکر نکال دیا اور انہیں رسوا کیا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ اُس جمعہ میں کسی وجہ سے حاضر نہیں ہونے تھے منافقوں نے گمان کیا کہ حضرت ہمارے حال سے آگاہ ہوگئے ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ مسجد میں داخل ہوئے درانحالیکہ منافق مسجد سے خارج ہو رہے تھے حضرت عمرؓ منافقوں سے کترائے کیونکہ آپ کو واقعہ کی خبر نہ تھی اس لئے کہ آپ جمعہ سے رہ گئے تھے تو ایک آدمی نے کہا کہ اے عمرؓ خوشخبری ہو کہ آج خدا تعالی نے منافقوں کو ذلیل و خوار کردیا پس منافقوں کے لئے یہ پہلا عذاب ہے اور دوسرا عذاب قبر میں ہے اور ابو الشیخ نے ابی مالک رضی اللہ تعالی عنہ سے بیان کیا فی قوله سنعذبهم مرتين فقال كان النبى صلى الله عليه واله وسلم يعذب المنافقين يوم الجمعة بلسانه على المنبر وعذاب القبر یعنی خدا تعالی کے اس قول میں کہ جلدی ہی ہم منافقوں کو دو مرتبہ عذاب دیں گے اُس نے کہا کہ ایک عذاب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی زبان مبارک سے منبر پر کھڑے ہو کر اُن کو دیدیا اور دوسرا عذاب قبر میں ہوگا۔

تفسیر سراج المنیر[1] میں حضرت علامہ محمد شیر بینی الخطیب سدی کی روایت مذکورہ کے بعد فرماتے ہیں قال قيل كيف هذا مع قوله تعالى لا تعلمهم نحن نعلمهم اجيب بانه تعالى اعلمه بهم بعد ذلك ترجمہ۔ اگر کہا جائے کہ خدا کے اس قول کی موجودگی میں (کہ آپ ان منافقوں کو نہیں جانتے ہم جانتے ہیں) یہ واقعہ کیونکر ہوا تو میں اس کا جواب یہ دونگا کہ حق تبارک و تعالی نے آپ کو منافقوں کی اطلاع دیدی یعنی نفی مذکورہ کے بعد آپ کو منافقین کے احوال سے مطلع فرمادیا اور ایسا ہی تفسیر معالم التنزیل اور خازن وغیرہ میں بھی منقول ہے اس واقعہ کو مولوی محمد لکھوی نے بھی اپنی تفسیر میں اور کتاب "زینت الاسلام" میں تحریر کیا ہے؛

ہم بھی تو اس بات کے قائل ہیں کہ جو علم آپ کو پہلے نہیں ملا تھا وہ بفضلہ تعالی بعد میں عطا ہوا جیسا کہ علمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما کے ضمن میں پیشتر بیان ہو چکا ہے پس ہم منکرین سے صرف یہ پوچھتے ہیں کہ جس چیز کا علم آپ کو دیا گیا کیا اُس کے سلب کئے جانے کے متعلق تمہارے پاس کوئی دلیل ہے؟

ہاں بوقت عتاب یا کسی حکمت کے اظہار کے لئے حجاب ہو سکتا ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کو عتاب کے وقت اور حضرت عزیر کو اظہار حکمت کے لئے ایسا وقوع میں آیا جو اپنے موقعہ پر آئے گا انشاء اللہ تعالے۔

در مواہب لدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر مروی ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے میرے لئے دنیا کو ظاہر فرمایا پس میں دنیا اور جو کچھ اس میں تاقیامت ہونیوالا ہے کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح اپنی ہتھیلی کی طرف

[1] ص ۶۳۶ جلد چہارم مطبوعہ مطبع نولکشور لکھنؤ۔

علامہ زرقانی شرح مواہب قسطلانی جلد ۷ صفحہ ۲۳۴ میں لکھتے ہیں: ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ہذہ اشارۃ الی انہ نظر حقیقۃ رفع بہ انہ ارید بالنظر العلم" اس سے صاف متر شح ہے کہ اللہ جلشانہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دنیا ظاہر فرمائی، اور حضور نے جمیع ما فیہا کا احاطہ کر لیا، اور حضور کی اس بات سے کہ میں دنیا اور جو کچھ اس میں تا قیامت ہونے والا ہے کو اپنی کف دست کی مانند دیکھ رہا ہوں یہ مراد ہے کہ آپ نے جو کچھ دیکھا نظر حقیقت سے دیکھا نہ کہ نظر مجازسے ؎۱۔

آیت ۴ - قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ماشاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر وبشیر لقوم یومنون - یعنی آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا، مگر جو کچھ خدا چاہے، اور اگر میں جانتا تو بے شک بہت سی بھلائی جمع کر لیتا، اور مجھے برائی نہ چھوتی، میں تو فقط ان لوگوں کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، جو کہ یقین رکھتے ہیں۔

تفسیر حسینی میں آیت مذکورہ کے تحت میں - "کہ دانستمے من غیب را بے تعلیم الٰہی اور موضح القرآن میں بھی اس آیت کے تحت میں لکھا ہے - " اگر ہوتا میں کہ جانتا میں بے تعلیم خدا البتہ زیادہ کرتا میں مال اور نفع سے اور فتح وغنیمت سے " یعنی اگر میں بذات خود غیب جانتا تو مال دنیا جمع کر لیتا، اور مجھے فقر لاحق نہ ہوتا، پس جب مجھے حق تبارک وتعالیٰ سے تعلیم حاصل ہوئی، تو میں نے مال دنیاوی کو ترک کیا، اور فقر و درویشی کو اختیار کیا، یعنی میں نے اپنی رضا کو مشیت الٰہی کے بالکل تابع کر دیا۔ بمصداق ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

یعنی یہ سب کچھ محض اسی لئے ہے، کہ تائید ایزدی نے مجھے یوں ہی سکھایا، اور اگر یہ معنی لئے جائیں، کہ میں بہت سی بھلائی لے لیتا، اور برائی مجھ کو نہ چھوتی، تو ہمیں آپ کے لئے کثرت خیر اور عدم سو ثابت کرنا ہوگا، اور اس کے ثابت ہو جانے سے آپ کے لئے غیب بہ تعلیم الٰہی خود بخود ثابت ہو جائے گا، کیونکہ شرط و مشروط لازم ملزوم ہیں، قرآن مجید میں ہے انا اعطینک الکوثر، حضرت شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر میں رقمطراز ہیں:۔

" کوثر در لغت خیر بسیار را گویند مشتق از کثرت است الی قولہ و نیز شامل است علم بسیار را و کثرت علم دریں امت نیز خیلے مشاہد و محسوس است " آیت مذکورہ سے کثرت خیرات ثابت ہو گئی، نیز قرآن مجید میں آپ کا مسلمانوں کو حکمت و کتاب سکھانا اور تزکیہ کرنا بھی مذکور ہے، اور من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً کی رو سے آپ کے فیض یافتہ جب خیر کثیر کے مصداق ٹھہرے، تو آپ معلم حکمت ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ صاحب خیر کثیر قرار پائیں گے کلام الٰہی میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ہے، کذالک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین - (ترجمہ از مولوی اشرف علی تھانوی) " ہم نے اسی طرح ان کو علم دیا، تاکہ ہم ان سے صغیرہ وکبیرہ گناہ کو دور رکھیں، وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں سے تھے " اب غور فرمائیے، کہ جب یوسف علیہ السلام کے لئے عدم سو بحیثیت

؎۱ منزل دوم ص ۱۴۵ -

مخلص ہونے کے ثابت ہے، تو کیا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے من کل الوجوہ ثابت نہیں ہو گا ضرور ہو گا اور بالضرور ہو گا، بلکہ جملہ انبیا کے متعلق عدم سو کا اعتقاد ضروری ہے، پس جب کثرت خیر اور عدم سو کا ثبوت مل گیا جو کہ مشروط تھا، تو شرط کا وجوہ بھی ضروری ہوا، یعنی غیب بہ تعلیم الٰہی ۔

قرآن مجید نے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کردار تو ایک طرف گفتار پر بھی فتوے دے دیا کہ وہ بات چیت بھی اپنی مرضی سے نہیں بلکہ خدائی رضا کے ماتحت کرتے ہیں، وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحیٰ ان آیات کی موجودگی میں آپ کے متعلق کثرتِ خیر اور عدم سُو کا اعتقاد لازمی ہے :۔

آیت ۵ ۔ قل ماکنت بدعا من الرسل وما ادری مایفعل بی ولا بکم ترجمہ ۔

آپ کہہ دیجئے کوئی میں انوکھا رسول تو ہوں نہیں ۔ اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ کیا کیا جائیگا اور تمہارے ساتھ کیا ۔

یہ آیت سورہ فتح کی آیت انا فتحنا لک فتحا مبین لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر الی قولہ وکان ذٰلک عند اللہ فوزاً عظیما سے منسوخ ہے، بعض علماٗ کہتے ہیں، کہ حکم نسخ احکام میں واقع ہوتا ہے، اخبار میں نہیں یہ غیر صحیح ہے، کیونکہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، اور اکثر علماٗ کے نزدیک ان دونوں میں حدیث صحیح کی رُو سے نسخ جاری ہے، جیسا کہ تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل میں آیت وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ کے نیچے لکھا ہے، جب یہ آیت اُتری تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام پر شاق گذری، پھر اللہ تعالیٰ نے آیت لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا سے اُس کو منسوخ فرمایا، رواہ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحیح مسلم، اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کی ایک اور حدیث ابن عباس سے بھی روایت کی ہے، اور صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے، کہ آیت ان تبدو ما فی انفسکم کو پچھلی آیت نے منسوخ کر دیا ہے، اور اکثر تفاسیر میں بھی ایسا ہی ذکر ہوا ہے، پس صحیح احادیث اور بڑے معتبر تفاسیر کی شہادت سے اخبار میں نسخ ثابت ہو گیا، تو آیت مذکورہ کو بطور استدلال پیش کرنے کی کیا ضرورت رہی، کیونکہ آیت وما ادری مایفعل بی آیت لیغفرلک اللہ سے منسوخ ہے اور اس سے بہت پہلے کی حالت ہے، نیز یہ اس قسم کی خبر ہے، جو حکم سے متعلق ہے ۔

پس یہ نسخ حکم کے تعلق کی وجہ سے جائز ہے، اور نسخ اخبار حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت قتادہ، حضرت عکرمہ، حضرت حسن اور حضرت ضحاک رضی اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا مذہب ہے، جلالین کے حاشیہ جمل میں بحوالہ تفسیر تفسیر قرطبی منقول ہے، کہ وما ادری مایفعل بی ولا بکم کا معاملہ قیامت کا ہے، جب آیت اُتری، تو مشرکین یہود اور منافق سب خوش ہوئے، اور کہنے لگے کہ ہم ایسے نبی کا کیا اتباع کریں، جس کو یہ بھی معلوم نہیں، کہ آئندہ اُسے اور ہمیں کیا پیش آئے گا، اور بے شک ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اگر یہ خدا کا فرستادہ سچا نبی ہوتا، تو جو کچھ اُس سے ہونا تھا، اُس کی خبر دے دیتا ۔

پس یہ آیت لیغفرلک اللہ نازل ہوئی جس سے مومن لوگ خوش ہو گئے، اور منکر ذلیل و رسوا ہوئے، قرآن مجید میں بہت سی آیات ایسی ہیں، جو اخبار غیب پر مشتمل ہیں، اور اس امر کی مصدق ہیں، کہ آیت وما ادری منسوخ ہو

چکی، اور علم غیب آپ کو بہ تعلیم الٰہی حاصل ہو گیا' مثلاً سورۂ روم کی ابتدائی آیات' یا یہ آیت ونزلنا علیک الکتٰب تبیانا لکل شئ یا اٹھارہویں سیپارے کی ابتدائی آیات' وغیرہ ذٰلک ۔

آیت ۶ ۔ ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم مافی الارحام' وماتدری نفس ماذا تکسب غدا وماتدری نفس بای ارض تموت' ان اللہ علیم خبیر (سورۂ لقمٰن) بے شک اللہ ہی کے پاس ہے خبر قیامت کی' اور وہی اتارتا ہے مینہ' اور جانتا ہے جو کچھ کہ مادہ کے پیٹ میں ہے' اور نہیں جانتا ہے کوئی کہ کیا کریگا کل اور نہیں جانتا کوئی کہ کس زمین میں مریگا کہ بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے' خبردار' (تقویۃ الایمان ص۱۰) :-

آیت مذکورہ میں پانچ چیزوں کا علم جو ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہے' بے شک مخلوق میں سے کوئی بذات خود اور بالاستقلال اسے نہیں جانتا' اور جو بالذات بلا تعلیم الٰہی جاننے کا مدعی ہو' وہ کافر ہے' مگر بعطائے الٰہی یہ علم انبیاء علیہم السلام کو اور ان کی تبعیت میں اولیائے عظام کو بھی حاصل ہے' جو آیات قرآنیہ اور احادیث سے ثابت ہے' جس کا انکار کفر ہے' پس اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ جس قدر اور جس کو خدا چاہتا ہے' عطا فرماتا ہے' آیت مذکورہ میں مخلوق کے لئے ذاتی علم غیب کی نفی ہے' عطائی کی نہیں' جیسا کہ صفحات گذشتہ میں مذکور ہوا ہے' نیز آیت کے آخر میں اسم خبیر ہے' جس کے معنے خبردار اور خبر دہندہ ہیں' جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (وماادری مایفعل بی کے ضمن میں) اور علم غیب عطائی کا انکار کسی صورت میں نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ قرآن مجید میں ایسی کئی خبریں موجود ہیں' اب اگر کوئی سوال کرے' کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وہ خبریں کہاں سے ملیں' تو اس کا جواب یہی ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ سے' اور اسی کا نام ہم نے علم غیب عطائی رکھا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ علم غیب کی مذکورۃ الصدر پانچ اقسام میں سے جو ذات باری تعالیٰ سے مخصوص ہیں' مخلوق کو بھی کچھ حصہ ملا یا کہ بالکل نہیں' یہ ثبوت بحوالہ آیات قرآنی واحادیث صحیحہ ملاحظہ فرمائیے :-

قسم اول' علم الساعۃ' قیامت کی آمد کے متعلق قرآن مجید اور احادیث میں اس قدر اشارات موجود ہیں کہ ان کا احصار مشکل ہے' جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قیامت کے متعلق پورا علم خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا' لیکن آپ اُسے بتمامہ ظاہر کرنے پر مامور نہ تھے' لیکن جو واقعات قیامت کے دن ظہور پذیر ہونے والے ہیں ان میں سے جستہ جستہ اس طرح آپ نے بیان فرمائے' جس سے صاف مترشح ہوتا ہے' کہ یہ گویا آنکھوں دیکھے ہوئے واقعات ہیں' ہمیں ان کے تتبع سے کئی اہم امور معلوم ہوتے ہیں' یعنی اگر زبان وحی ترجمان نہ ہوتی' تو ہمیں کیونکر قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو سکتا کہ اختتام دنیا کے بعد ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے' جس کو قیامت کہتے ہیں' اور اس میں ہر ایک کے سامنے اُس کے اچھے یا بُرے اعمال آجائیں گے' اور ان پر جزا و سزا مترتب ہو گی' وقوع قیامت کا علم ہی خود ایک ایسا غیب ہے' جس پر اعلام الٰہی کے بغیر مطلع ہونا ممکن نہیں' لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ علم دیا گیا' اور حضور صلعم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے اُس کا اجمالی خاکہ اس طرح کھینچا' جس کو سمجھنے سے ہر مومن کے ذہن میں قیامت کا دھندلا سا نقشہ آجاتا ہے' مثلاً وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ من الاجداث الی ربھم ینسلون سے لیکر وتشھد

ارجلہم بما کانوا یکسبون (سورۂ یٰسین) اس رکوع میں نفخ صور، احیائے موتیٰ حشر و نشر جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات بیان ہوئے ہیں کیا یہ علم الساعۃ نہیں ؟۔

لا اقسم بیوم القیامہ سے ولو القی معاذیرہ تک جو آیات بیان ہوئی ان میں قیامت کی حقیقت کا ذکر ہے اور بعض واقعات کی اجمالی صورت بیان ہوئی ہے، بعینہٖ اسی طرح قرآن مجید میں متعدد جگہوں پر مختلف واقعات مذکور ہوئے ہیں، جن کو اگر ترتیب دیا جائے، تو قیامت کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ۔

سورہ زلزال، قارعہ اور بعض سورتوں میں کئی آیات اس امر پر شہادت دے رہی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم الساعۃ بعطائے الٰہی حاصل تھا، جس کی مدد سے آپ نے بعض وہ سوال و جواب جو خالق و مخلوق کے درمیان ہونگے بھی ظاہر فرما دیئے، قرآن مجید جلال الٰہی کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے، کہ خدائے تعالیٰ مخلوق سے مخاطب ہو کر پوچھے گا، کہ لمن الملک الیوم اور کسی سے کچھ جواب نہ پاکر خود کہے گا، للہ الواحد القہار، نیز مجرموں سے کہے گا، ھٰذہٖ جھنم التی کنتم بہ تکذبون، اصلوھا الیوم بما کنتم تکفرون نیز کافر اپنی گت بنتی دیکھ کر کہے گا، یٰلیتنی کنت ترابا اور خدا کے نیک بندوں کو حکم ہوگا، فادخلی فی عبادی وادخل الجنتی، وغیرہ وغیرہ ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فداہ امی وابی، باوجود جاننے کے بعض امور کے کتمان پر مامور تھے، اور بعض کے اظہار پر مامور تھے، بعض اسرار الٰہیہ خواص کو بتائے گئے، اور عوام سے چھپائے گئے، اور بعض اسرار سربمہر رکھ دیئے گئے کہ جو ان کے اہل ہوں، وہ معلوم کرلیں، اور نااہل کی چشم سے پوشیدہ ہی رہیں، مثال کے طور پر قرآن مجید میں حروف مقطعات کو ہی لے لو، ان کے مطالب سے راسخون فی العلم آگاہ ہیں، اور دوسرے ان رموز سے واقف نہیں، بلغ ما انزل الیک کا حکم احکام شریعت اور دین کے متعلق ہے، ان کی تبلیغ میں آپ نے ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی لیکن اسرار الٰہیہ صرف انہی لوگوں کو بتائے گئے، جو اس بات کے اہل تھے، اور وہ بھی ان کے کتمان پر مامور تھے، مشکوٰۃ شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، کہ مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دو قسم کے علوم حاصل ہوئے، ایک وہ جن کی تبلیغ کر دی، اور دوسرے وہ کہ بیں بتاؤں، تو تم میرا گلا ہی کاٹ ڈالو ۔

شرح مقاصد جلد ثانی صفحہ ۲۵۰ پر مرقوم ہے، ان الغیب ھٰھنا لیس علی العموم بل مطلق و معین ھو وقت وقوع القیامت بقرینۃ السیاق ولایبعد ان یطلع علیہ بعد الرسول من الملٰئکۃ والبشر، اس سے ظاہر ہے، کہ علم قیامت کی اطلاع کی پہلی حدیث میں ہے، کہ جب جبرئیل[1] علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قیام قیامت کا وقت دریافت کیا، تو آنحضرت سراپا رحمت نے ما المسئول عنھا باعلم من السائل فرمایا، اور یہی آیت جو جانب مخالف نے نقل کی ہے، تلاوت فرمائی، شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں تحریر

---

[1] حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم تھا کہ میرے مخاطب حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اور انہیں بھی علم قیامت بہ تعلیم الٰہی حاصل ہے، اس لئے آپ نے بے تکلف فرما دیا، ما المسئول عنھا باعلم من السائل اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسا میں اس امر کو بہ تعلیم الٰہی جانتا ہوں ایسا ہی اس امر کے متعلق تمہیں بھی علم حاصل ہے اسلئے میں مزید کیا بتاؤں، برکت علی شہید اس سے نفی علم نہیں ہوتی .. بلکہ جبرئیل کیلئے بھی اشارہ ہے ۔

انکار ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان ۔

فرمایا ہے۔ "مراد آن است کہ بے تعلیم الٰہی بحساب آنہا راندانند آنہا از امور غیب اند، کہ جز خدا کسے آں راندانند مگر آنکہ وے تعالیٰ از نزد خود کسے را بوحی و الہام بدانانند۔"

علامہ ابراہیم باجوری رحمۃ اللہ علیہ شرح قصیدہ میں فرماتے ہیں۔ "لم یخرج صلی اللہ علیہ وسلم من الدنیا الا بعد ان اعلمہ اللہ تعالیٰ بھذہ الامور الخمسۃ" اور کتاب الابریز میں ہے۔ "قلت للشیخ رضی اللہ عنہ فان علماء الظاہر من المحدثین وغیرہم اختلفوا فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھل کان یعلم الخمس المذکورات فی قولہ تعالیٰ ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ — الآیۃ، فقال کیف یخفی امر الخمس علیہ صلی اللہ علیہ وسلم والواحد من اھل التصرف من امتہ الشریفۃ لا یمکن التصرف الا بمعرفتہ ھٰذہ الخمس" یعنی میں نے اپنے شیخ (عبدالعزیز عارف رحمۃ اللہ علیہ) سے عرض کیا کہ علمائے ظاہر یعنی محدثین وغیرہ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پانچ چیزوں کا علم تھا، جن کے بارے میں آیت ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ آہ وارد ہوئی، تو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ ان پانچوں کا علم حضورؐ پر کیسے مخفی رہ سکتا ہے، جبکہ ایک صاحب تصرف امتی کے لئے ان پانچ چیزوں کے علم کے بغیر تصرف ممکن نہیں — حق یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عالم سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے ان پانچوں چیزوں کا علم عطا ہو گیا تھا۔

قسم دوم - نزول باراں، مشکوٰۃ شریف میں ترمذی کی ایک طویل حدیث نواس بن سمعان سے منقول ہے، جس میں یہ الفاظ مروی ہیں، "ثم یرسل اللہ مطراً لا یکن منہ بیت مدر ولا وبر۔"

فتنہ یاجوج و ماجوج کے بعد اللہ تعالیٰ ایک عالمگیر مینہ بھیجے گا جس سے کوئی مکان خالی نہ رہے گا، کتاب مذکور کے ص۴۷۳ پر باب لا تقوم الساعۃ الا علیٰ شرار الناس عبداللہ بن عمر کی روایت یہ الفاظ مروی ہیں، "ثم یرسل اللہ مطراً کانہ الطل فینبت منہ اجساد الناس" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام آدمیوں کے مرنے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ مینہ بھیجے گا گویا کہ وہ شبنم ہے پس اس مینہ کے اثر سے آدمیوں کے جسم اُگیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بدولت یہ علم آپ کے خدام کو بھی حاصل ہے، چنانچہ تفسیر عرائس البیانؒ میں اسی آیت شریفہ کے تحت میں لکھا ہے، "ولٰکن کثیراً ما سمعت من الاولیاء یقول یمطر السماء غداً اولیلاً فیمطر کما قال" ترجمہ۔ لیکن میں نے بہت سے اولیاء کو کہتے ہوئے سُنا ہے، کہ کل دن کو یا رات مینہ برسے گا پس جیسا انہوں نے کہا ہوتا ہے، مینہ برستا ہے۔

قسم سوم - مافی الارحام - خدائے تبارک و تعالیٰ کے اعلام سے خدا کے کئی بندوں کو مافی الارحام بلکہ اُس سے بھی پہلے بیٹا یا بیٹی پیدا ہونے کی خبر حاصل ہو گئی، حضرت عیسٰےؑ یحیٰےؑ اسمٰعیلؑ اسحاقؑ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ہی اُن کے ماں باپ کو پتہ لگ گیا کہ خدا ہمیں بیٹا عنایت کریگا، حضور صلعم نے حضرت امام مہدی کی آمد کا ذکر آپ کی پیدائش سے سالہا سال پہلے فرما دیا ہے، اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

۱؎ ص۷۵ مطبوعہ مصر ۲؎ ص۱۵۸ ۳؎ باب العلامات بین یدی الساعۃ ص۴۶۶ مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور ۴؎ ص۱۲۸ جلد دوم مطبوعہ نولکشور

امام حسین ابن علی علیہما السلام کی پیدائش کی خبر بھی پیشتر ہی دے دی تھی' جیسا کہ حدیث تلد فاطمۃ انشاء اللہ غلاما یکون فی حجرک کے ضمن میں صفحات گذشتہ میں ذکر ہوا ہے' تفسیر عرائس البیان ص۱۴۹ میں تحت آیت مذکورہ یعلم مافی الارحام کے ضمن میں لکھا ہے' وسمعت ایضاً من بعض الاولیاء اللہ انہ اخبر مافی الرحم من ذکر وانثی ورایت بعینی ما اخبر' یعنی میں نے بعض اولیاء اللہ سے یہ بھی سُنا' کہ انہوں نے مافی الرحم کی خبر دی' کہ اس کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی' اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا' کہ اُنہوں نے جیسی خبر دی تھی ویسا ہی وقوع میں آیا" بستان المحدثین میں حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں "نقل می کنند کہ والد شیخ ابن حجر را فرزندی زیست کشیدہ خاطر بہ حضور شیخ رسید' شیخ فرمود از پشت تو فرزندے خواہد برآمد کہ بعلم خود دنیا را پر کند" یعنی شیخ ابن حجر عسقلانی کے والد ماجد کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی' ایک دن افسردہ دلی میں اپنے شیخ کے حضور پہنچے' شیخ نے فرمایا تیری پشت سے ایسا فرزند ارجمند پیدا ہوگا' جس کے علم سے دُنیا بھر جائے گی (چنانچہ علامہ ابن حجر پیدا ہوئے)۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خارقان میں حضرت ابوالحسنؒ کی پیدائش کی اطلاع ان کے پیدا ہونے سے کئی سال پہلے ہی اپنے مریدوں کو دے دی' اور ان کی صورت وسیرت' تاریخ ولادت اور نام وغیرہ کے متعلق پوری خبر دی' یہ واقعہ مثنوی شریف مولینا روم میں اس طرح مرقوم ہے:- ؎

آں شنیدی داستان بایزیدؒ | کوز حالے بوالحسن پیشیں چہ دید
روزے آں سلطان تقویٰ میگزشت | با مریداں جانب صحرا ودشت
گفت زیں سُو بوئے یارے مے رسد | کاندریں دہ شہریارے مے رسد
بعد چندیں سال مے زاید شہے | می زند بر آسمانہا خرگہے!
رُویش از گلزار حق گلگوں بود | از من او اندر مقام افزوں بود
چیست نامش؟ گفت نامش بوالحسن | حلیہ اش واگفت ز ابرو تا ذقن
خد او و رنگ او و شکل او | یک بیک واگفت از گیسو ؤ رو
حُلیہ ہائے رُوح او را ہم نمود | از صفات واز طریق و جائے نمود

یعنی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز ایک دن جنگل کی طرف اپنے مریدوں کے ہمراہ تشریف لے جارہے تھے کہ خارقان کے نزدیک پہنچے' اور اپنے مریدوں سے فرمانے لگے' کہ مجھے اس جگہ سے ایک بلند مرتبہ عاشق الٰہی کی خوشبو آتی ہے' جو چند سال کے بعد پیدا ہونگے' اور (بلندی منزلت کا خیمہ آسمان پر گاڑیں گے' ان کا چہرہ گلزار حق سے سُرخ ہوگا' اور فقر میں ان کا درجہ مجھ سے بلند ہوگا' مریدوں نے ان کا نام پوچھا' تو آپ نے فرمایا کہ بوالحسن' پھر انکا رنگ ڈھنگ' شکل وشباہت اور حلیہ بیان فرمایا' یہ بھی بیان فرمادیا کہ اُن کے اوصاف کیا ہونگے' طریقہ کیا ہوگا اور ٹھکانہ کہاں ہوگا۔ ——— پھر ہو بہو اسی طرح واقعہ ہوا' جس طرح آپ نے ارشاد فرمایا۔

قطب عالم حضرت مولینا غلام محی الدین رحمۃ اللہ علیہ قصوری نے اپنی کتاب تحفہ رسولیہ میں اپنے صاحبزادہ

عبدالرسول کی پیدائش کی خبر پیدا ہونے سے دو سال پہلے ہی دے دی۔ پھر ان کا نام رکھا اور وصیّت تحریر فرمائی۔ ملاحظہ ہوں یہ دو شعر۔ (اصل کتاب تحفہ رسولیہ کتب خانۂ نبویہ لاہور میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)۔

ایکہ ہنوزی تو بکتم عدم . زود بہ گلزار جہاں نہ قدم

بہ کہ بہم نام تو عبدالرسول . باد بدرگاہ رسالت قبول!

قبلۂ عالم قصوری دائم الحضوری نے صاحبزادہ صاحب سے خطاب کرتے ہوئے یہ بھی فرمادیا کہ شکر کر کہ خدائے تعالیٰ نے تجھے مسجد دی ہے' بازار یا دائرہ نہیں دیا' عالم بنایا ہے جاہل نہیں بنایا' تندرست پیدا کیا ہے' اپاہج نہیں کیا۔ اس کے بعد مفصل وصیت فرمائی' کہ یوں کرنا اور یوں نہ کرنا۔

قسم چہارم۔ کل کی خبر (آئندہ کی خبر) حضرت عیسےٰ علیہ السّلام نے فرمایا' وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ یعنے جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں بچا کر رکھتے ہو میں اُس کی خبر دیتا ہوں" وہ لوگ کل کے لئے کھانا بچا رکھتے تھے' اُس کے متعلق آپ نے فرمایا —— وانبئکم —— الخ

نیز حضرت یوسف علیہ السّلام نے قیدیوں کو فرمایا تھا کہ جو کھانا تمہیں دیا جائے گا' اُس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں اُس کی خبر دیدوں گا' کمافی قولہ تعالےٰ' قَالَ لَا یَاۡتِیۡکُمَا طَعَامٌ تُرۡزَقٰنِہٖۤ اِلَّا نَبَّاۡتُکُمَا بِتَاۡوِیۡلِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمَا ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیۡ رَبِّیۡ ؕ۔

نیز حضرت خضر علیہ السّلام نے کشتی پر سوار ہوتے ہی موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا' کہ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا' اور خضر علیہ السّلام کو کہنا پڑا' اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ۔

حضرت صالح علیہ السّلام نے قوم کو فرمادیا تھا' کہ تین دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا' جو اپنے موقعہ پر آپ کے فرمان کے مطابق آیا' اسی طرح لوط علیہ السّلام کو ملائکہ کی وساطت سے معلوم ہوگیا تھا' کہ صبح اس قوم پر عذاب نازل ہوگا' دیکھو آیت قرآنی قَالُوۡا یٰلُوۡطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ سے لے کر وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ (سورہ ہود)

حضرت نوح علیہا السّلام نے کئی پشتوں تک پہلے ہی مافی الارحام کی خبر فرمادی' قَالَ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ۔ اِنَّکَ اِنۡ تَذَرۡہُمۡ ... وَ لَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا یعنی آپ نے کفار کی پشتوں اور رحموں میں نظر فرما کر کہہ دیا' کہ ان لوگوں کی اولاد بھی کافر اور فاجر ہوگی۔

ان آیات کے مطالعہ سے صاف معلوم ہوگیا' کہ واقعات آئندہ کی خبر کا بہ تعلیم الٰہی حاصل ہونا درست ہے' لیکن اگر منکرین لفظ غدا پر اصرار کریں' تو ان کی تسلی کے لئے ہم ان کی توجہ حدیث لاعطین ھذہ الرایۃ غداً رجلا یفتح اللہ علیٰ یدیہ یحب اللہ ورسولہٗ ویحبہ اللہ ورسولہ کی طرف مبذول کراتے ہیں' جس کا مفصل بیان گذشتہ صفحات میں گزر چکا ہے' نیز واقعہ لوط علیہ السّلام میں آیت کے الفاظ الیس الصبح بقریب پر غور کا مشورہ دیتے ہیں۔

یہاں ہم منکرین کے ایک شبہ کا جواب دینا ضروری سمجھتے ہیں' وہ یہ کہ ایک دفعہ کچھ لڑکیاں آپ کے سامنے اپنے آباء مقتولین یوم بغاث کا مرثیہ گا رہی تھیں' اور اُس میں اُنہوں نے یہ مصرع بھی گایا۔

وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَافِیْ غَدٍ یعنی ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی آیندہ بات جانتا ہے" یہ مصرع سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس قول کو چھوڑ دو" اور جو کچھ کہہ رہی تھی، وہ کہے جاؤ" منکرین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس میں حضور کے علم غیب کی نفی ہے" اس کا جواب ہم مرقاۃ المفاتیح سے نقل کرتے ہیں" وَ اِنَّمَا مَنَعَ القائلۃ بقولھا وفینا نبی الخ لکراھۃ نسبۃ علم الغیب الیہ لانہ لا یعلم الغیب الا اللہ وانما یَعْلَمُ الرسول من الغیب ما اعلمہ او لکراھۃ ان یذکر فی اثناء ضرب الدف واثناء مرثیۃ القتلیٰ لعلو منصبہ عن ذلک یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکیوں کو اس واسطے منع کیا کہ انہوں نے غیب کی نسبت مطلقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر دی تھی درآنحالیکہ آپ یہ چیز بذاتہٖ نہیں بلکہ بہ تعلیم الٰہی جانتے ہیں" یا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دف کے ساتھ اپنے ذکر کو نامناسب سمجھا" یا مقتولین کے مرثیے میں اپنے ذکر کو پسند نہ فرمایا" کیونکہ یہ امر ان کے علو مرتبت کے خلاف تھا" اور حقیقت بھی یہ ہے" ان حالات میں جن میں آپ کی ثنا کی گئی تھی" یہ بات روانہ تھی کیونکہ اس میں سوء ادب کا پہلو غالب ہے" اس لئے آپ نے منع فرما دیا" لیکن آپ نے شاعر اور شعر کے متعلق کچھ نہیں فرمایا" اشعۃ اللمعات میں اس کے متعلق یوں مرقوم ہے" گفتہ اند کہ منع آنحضرت ازیں قول بجہت آن است کہ دروے اسناد علم غیب است بہ آنحضرت پس آنحضرت را ناخوش آمد۔ وبعضے گویند کہ بجہت آنست کہ ذکر شریف وے دراثنائے لہو مناسب نہ باشد" یعنی شارحین نے کہا کہ آپ کا منع فرمانا اس لئے ہے کہ علم غیب کی نسبت آپ کی ذات کی طرف تھی" جو آپ کو پسند نہ آئی" اور بعض کہتے ہیں کہ آپ کا ذکر پاک لہو ولعب میں مناسب نہیں" کیونکہ لڑکیاں ایک نکاح کے سلسلے میں دف کے ساتھ گا بجا رہی تھیں" اور اثنا میں مصرع زیر بحث بھی گایا گیا" ہم اپنی اس تحقیق کے ثبوت میں حسان بن ثابت ؓ کے دو بیت پیش کرتے ہیں" جو انہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑھے" اور آپ نے سُن کر منع نہ فرمایا:۔

نبیٌ یریٰ ما لا یریٰ الناس حولہ ۔۔۔ ویتلو کتاب اللہ فی کل مشھدٍ

فان قال فی یوم مقالۃ غائبٍ ۔۔۔ فتصدیقھا فی ضحوۃ الیوم اوغدٍ

اسی طرح منکرین نے ایک حدیث اور نقل کی ہے" جس کا مفہوم یہ ہے" کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں" اس کے آگے جو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے" این سخن اصلے ندارد و روایت بداں صحیح نشدہ است" اس عبارت کو صاف ہضم کر گئے" کہ آپ کا علم غیب ثابت ہی نہ ہو" ایسا ہی ان کے اور ہم خیالوں نے بھی کیا ہے" یہ خیانت اور تحریف ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیدہ دانستہ تنقیص ہے۔

قسم ۵ ۔ کب مریگا اور کہاں مریگا" جنگ بدر میں آپ نے اپنے صحابہ کو کفار مکہ کے مقتل بتا دیئے" اور یہ پیشین گوئی اس وقت فرمائی" جبکہ آپ کے لشکر کے پاس بے سروسامانی کے علاوہ کوئی ظاہری سامان جنگ نہ تھا" لیکن فریق مقابل بڑے ساز وسامان سے مقابلے پر تھا" ایسی حالت میں یہ پیشین گوئی عجیب ہی قسم کی تھی" مگر ایسا ہی ہُوا" جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا" اور جس کے متعلق جہاں قتل ہونا آپ نے فرمایا تھا" وہیں اُس کی لاش پائی گئی۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے فرمایا کہ شاید آئندہ سال تم مجھے نہ پاسکو گے" مشکوٰۃ شریف میں ہے "عن معاذ بن جبل قال لما بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن خرج معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوصیہ و معاذ راکب و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یمشی تحت راحلتہ فلما فرغ قال یا معاذ انک عسٰی ان لا تلقانی بعد عامی ھٰذا ولعلک ان تمر بمسجدی ھٰذا و قبری فبکی معاذ جشعًا لفراق الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی حضرت معاذ کو یمن کی طرف بھیجتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو وصیت فرماتے ہوئے تشریف لائے، اور فرمایا کہ اے معاذ شاید کہ اس سال کے بعد ہماری تمہاری ملاقات نہ ہو اور شاید تمہارا گذر میری اس مسجد اور قبر پر ہو، حضرت معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ یہ کلمہ جانگداز سن کر فراقِ رسول اللہ صلعم کے خیال سے رو پڑے، ملخصاً۔

مرض الموت سے کچھ دن پہلے آپ نے فرمایا کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اُس نے آخرت کی زندگی پسند کی۔

ان احادیث سے صاف ثابت ہوتا ہے، کہ آپ نے اپنی وفات اور مقامِ دفن کی خبر پہلے ہی دیدی تھی۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جامعہ صغیر میں ایک حدیث نقل فرماتے ہیں، وھو ھذا:-

یقتل ابن مریم الدجال بباب لد۔ یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام دجال کو باب لد پر قتل کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں حضرت فاطمۃ الزہرا کے کان میں فرمایا کہ میں اسی بیماری میں دنیا سے رحلت کرونگا، اور میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم ہی مجھ سے آکر ملوگی، اور یہ امر واقعہ ہے کہ آپ نے اسی مرض میں وفات پائی، اور آپ کی وفات کے قریباً چھ ماہ بعد حضرت فاطمۃ الزہرا کا بھی انتقال ہوگیا، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو فرمایا، کہ تم سب میں سے پہلے وہ آکر مجھ سے ملاقات کرے گی، جس کے ہاتھ لمبے ہونگے، جب سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی تو سب کو معلوم ہوا، کہ ہاتھ کی لمبائی سے مراد کشادہ دستی اور فیاضی تھی، اور اس صفت سے حضرت زینب نسبتاً سب سے زیادہ متصف تھیں، اب ان متعدد امثلہ مذکورہ سے ثابت ہوگیا کہ حضور علیہ السلام کو ان خاص پانچ باتوں کا علم بھی بعطائے الٰہی حاصل تھا، جو خاص اُس سے مخصوص ہیں، اب ان حقائق کی موجودگی میں کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے کہ خاص ان پانچ قسم کے غیوب کا علم خدائے تعالےٰ نے کسی کو نہیں دیا، ایسا تسلیم کرنے سے آیت ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ اور ان متعدد احادیث میں تضاد نظر آتا ہے، اور حقیقت یہ ہے: تضاد ہے نہیں، پھر ان میں مطابقت کا یہی طریقہ ہے، کہ آپ سے ذاتی علم کی نفی کی جائے، اور عطائی علم غیب آپ کے لئے تسلیم کیا جائے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے کفر لازم آتا ہے، اور تسلیم کرنا کچھ غلط بھی نہیں، یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ بعثت کی ابتدائی حالت سے انتہائی حالت ہر لحاظ سے بہتر تھی، اور قرآن مجید میں ہے وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی یعنی آپ کی آخری حالت پہلی حالت سے یقیناً بہتر ہے، نیز آخر میں اس پر اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ

نعمتی کا فتویٰ بھی لگ گیا، ہمارے خیال میں نعمت سے ہر وہ چیز مراد ہے جس پر نعمت کا اطلاق ہو سکتا ہے اور یقیناً علم بھی ایک ایسی ہی چیز ہے جس کو نعمت کہا جائے، اسی لئے آپ نے خدا سے ربِّ زدنی علما کہہ کر زیادتی علم کی دعا مانگی، تو کیا آپ خیال کر سکتے ہیں کہ آپ کی یہ دعا قبول نہیں؛ اور خدا نے اس نعمت کو اب تمام نہیں کیا؟ ہم تو ہرگز ایسا خیال نہیں کر سکتے، ہمارا تو عقیدہ ہے کہ یقیناً آپ کی دعا مستجاب ہوئی اور خدا نے اس نعمت کو بھی آپ پر تمام کیا، اور یہ ایسی حالت میں ممکن ہے جبکہ آپ کے لئے علم ما کان وما ھو بکائن تسلیم کر لیا جائے کیونکہ آپ کے لئے ایسی نعمت کا ثبوت محالات میں سے نہیں، جب ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کا علم تمام مخلوقات سے زیادہ تھا، تو اس سے صرف نوعِ بشر مراد نہیں لیتے بلکہ مخلوقات سے ہماری مراد خاکی، آبی، نوری، ناری، اور وہ تمام مخلوقات ہے جو عالم وجود میں موجود ہے، اگرچہ وہ ہمارے علم میں موجود نہ ہو، یہی وجہ تھی کہ آپ جماد مثلاً (سنگریزے) نباتات مثلاً (ستون حنانہ) ملائکہ اور اجنہ کی باتیں سمجھتے تھے، اور یہ تو مسلم ہے کہ مخلوقات کا مجموعی علم ہمارے احاطۂ فہم سے باہر ہے، لیکن اس مقتدر اور اعلم ہستی کے احاطۂ فہم سے باہر نہیں، جس کے حق میں آیات اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ، فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی اور انا اعطیناک الکوثر آتریں، نیز جس کے خصائص میں جوامع الکلم کا عطا کیا جانا ہے، اور یہ وہ بات ہے جو آپ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوئی ایک دفعہ آپ نے اپنا بلیغ خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے کہا۔

یَا اُمۃ محمد واللہ لو تعلمون ما علمت لضحکتم قلیلاً ولبکیتم کثیراً) پھر علوم الٰہیہ میں سے یہ سب کچھ جو آپ کو عطا ہوا کیا تھا؟ خدا کے علم کا بعض اور قلیل حصہ، چونکہ ہم خدائی علوم کا اندازہ بالکل نہیں کر سکتے ہیں؛ اسلئے اُس کے علم کے بعض کا اندازہ بھی محال ہے، محیطِ بیکراں کا بعض اور ہے اور پانی کے ایک گھڑے کا بعض اور ہے، جو چیز ہمارے قیاس و وہم سے برتر ہے اُسے اپنے قیاس سے ناپنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، حاشا وکلا، ہمارے عجز فہم کا اعتراف تو یہ ہے ا سے

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آیت مٰکہ - وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشعر وما ینبغی لہٗ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین، اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا اور نہ وہ ان کی شان کے لائق ہے، وہ تو نہیں مگر نصیحت اور روشن قرآن ا۔

یہاں علم شعر سے مراد یہ نہیں ہے کہ آپ اچھے اور بُرے شعر میں امتیاز نہ کر سکتے تھے، بلکہ یہاں یہ مراد ہے کہ آپ شعر نہ کہتے تھے، نہ آپ شاعر تھے، کیونکہ شعر گوئی ایسی چیز ہے، جس میں دروغ کا عنصر لازمی طور پر ہوتا ہے اور آدمی مبالغہ اور غلو سے بچ نہیں سکتا، مولینا نظامی گنجوی فرماتے ہیں ا۔

در شعر مپیچ و در فن او چوں اکذب اوست احسن او

اور یہ امر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شایان شان نہیں، قرآن پاک روشن حقائق کا مرقع ہے، شعر گوئی کو اس سے کیا نسبت ا۔

آپ کے کلام مبارک میں عروض کی پابندی نہ تھی، لیکن شعریت اُس پر نثار تھی آپ افصح العرب تھے، فصاحت وبلاغت اور حُسنِ تاثیر سے آپ کا کلام آراستہ ہوتا تھا الشعراء ھم الغاوون کے ماتحت آپ کو شعر گوئی کا ملکہ بدو فطرت سے عطا نہیں ہوا تھا، مگر شعر فہمی کی آپ میں مکمل استعداد تھی، عرب کو جس اخلاق سوز شاعری پر ناز تھا، وہ فطرتِ انسانی کے لئے زہر قاتل تھی، اُس سے اجتناب ضروری تھا، جس طرح بُرائی کا علم اُس سے احتراز کرنے کے لئے ہونا ضروری ہے، اسی طرح شاعری (جو اُس زمانے میں فحاشی کے مترادف تھی) سے احتراز فرمانے کے لئے آپ کو علم عطا کیا گیا۔

شاعری نثر کے مقابلے میں غیر فطری کلام ہے، اس لئے خدا تعالےٰ نے یہ چیز کسی پیغمبر کو عطا نہیں کی، نہ کوئی صحیفہ ایسا اُتارا جس کے مضامین اشعار میں ہوں، پس غیر شاعر خدا کے پیغمبر شاعر کیونکر ہو سکتے تھے۔

علاوہ ازیں علم الشعر کا تعلق امورِ غیبیہ سے نہیں، اس کی تعلیم زید و بکر سے بھی حاصل کی جا سکتی ہے، اس آیت اور اس مسئلہ کو نفی علم غیب کے ثبوت میں پیش کرنا وہابیہ کی جہالت اور ضلالت پر دال ہے۔

آیت ۸ - يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ

یعنی جس دن اللہ تعالیٰ مرسلین علیہم السلام کو جمع کریگا، اور اُنہیں کہے گا، کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں علم نہیں، تحقیق تو ہی سب غیبوں کا جاننے والا ہے۔

مفسرین نے اس بارے میں لکھا ہے، کہ پیغمبروں کا لاعلم لنا کہنا بمقابلہ ذات الٰہی کے ہے، وہ اپنی ذات کے نفی علم کر رہے ہیں، کیونکہ اُن کا علم علمِ الٰہی کے ساتھ ساقط ہے، تفسیر کبیر میں ہے، کہ یہ قول ادب کی بنا پر ہے، کیونکہ جب انبیاء نے معلوم کر لیا، کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے، حلیم ہے، بے علم اور سفیہ نہیں، وہ عادل ہے، ظالم نہیں، تو اُنہیں یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ اُن کی بات حصولِ خیر یا رفع شر کے لئے چنداں مفید نہ ہو گی، پس وہ سمجھ گئے کہ ادب خاموشی، اعتراف عدم علم اور معاملہ کو خدا اور اُس کے عدل کے سپرد کر دینے میں ہے، اسلئے انہوں نے لاعلم لنا کہہ دیا۔

روح البیان میں ہے کہ یہ جواب قیامت کے دن بعض مواقع پر ہو گا، بعد ازاں وہ تبلیغ رسالت میں اپنی امتوں پر گواہی دیں گے، ملاحظہ ہو روح البیان کی اصل عبارت۔

ان ھذا الجواب یکون فی بعض المواطن القیامت وترجع عقولھم الیھم فیشھدون علےٰ قومھم انھم بلغوا الرسالة وان قومھم کیف ردوا علیھم۔

آیت ۹ - ویسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔

(لوگ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیں کہ روح امر رب میں سے ہے اور آپ کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے)

معلوم نہیں کہ منکرین یہ آیت نفی علم غیب کے ثبوت میں کیوں پیش کرتے ہیں اور اس میں انہیں نفی علم کی کونسی دلیل نظر آتی ہے، اس میں تو صرف روح کے متعلق سوال کرنے والوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ تمہیں

بہت تھوڑا علم عطا کیا گیا ہے' نیز اُن کے حالات کی مناسبت کے پیش نظر ارشاد ہُوا کہ اُنہیں کہہ دو کہ روح امر ربی میں سے ہے' بھلا اس میں یہ کیونکر ثابت ہو گیا کہ حضور کو بھی روح کا علم عطا نہیں کیا گیا تھا' بلکہ اس سے تو یہ مستنبط ہوتا ہے' کہ آپ کو روح کا علم دیا گیا تھا جس کا اظہار آپ من امر ربی فرما کر رہے ہیں' یعنی یہ الفاظ روح کے متعلق جملہ علوم کا خلاصہ ہیں' روح کے متعلق سوال کرنے والے لوگ اس کی تشریح کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے' اس لئے انہیں مختصر جواب دینا ہی حکمت پر مبنی تھا' نیز سائلین کی معلومات کے مطابق روح کی خبر نہ دینا ہی علامت نبوت تھی۔

شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے' کہ عالم کئی ہیں' یعنی عالم عناصر' عالم ارواح' عالم امر' عالم امکان وغیرہ' پس روح عالم امر کی ایک چیز ہے' جس کی حقیقت کا جاننا عالم عناصر والوں کے لئے محال ہے' تو یہ بات بتا دینا کہ روح عالم امر میں سے ہے' کیا روح کے متعلق علم پر دال ہے یا عدم علم پر۔

فرض کرو کہ کوئی آدمی کسی اجنبی کے متعلق ہم سے جسے ہم بخوبی جانتے ہیں' پوچھتا ہے' یہ صاحب کون ہیں؟ تو ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ صاحب فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں اور ہمارے دوستوں میں سے ہیں' اس سے ہی ہمارا مخاطب مطمئن ہو جاتا ہے' اب ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے' کہ خواہ مخواہ اُس اجنبی کی مکمل ہسٹری بیان کریں' اور گروہ مرسلین کا تو اصول ہی یہ ہے' کہ مخاطب لوگوں کی عقول کے مطابق گفتگو کریں' جس سے انہیں اطمینان حاصل ہو' نہ کہ ایسی گفتگو کریں جس کو سمجھنے سے ان کے افہام ہی قاصر ہوں' حضرت شیخ عبدالحق صاحب دہلوی "مدارج النبوت" میں رقمطراز ہیں۔

"چہ گونہ جرأت کند مومن عارف کہ نفی علم بحقیقت روح از سید المرسلین و امام العارفین کند' و دادہ است او را حق سبحانہ علم ذات و صفات خود و فتح کردہ برائے او فتح مبین از علوم اولیں و آخرین روح انسانی چہ باشد کہ در جنب جامعیت وے قطرہ ایست از دریا' و ذرہ ایست از صحرا۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں تحریر فرمایا ہے۔ وَلَا تَظُنَّ اِنَّ ذَالِکَ لَمْ یکن مکشوفًا لرسول اللّٰہ علیہ السلام فَاِنَّ مَنْ لَّمْ یَعرِفْ نفسہٗ فَکَیْفَ یعرف اللّٰہ سُبحانہٗ وَلَا یَبْعُدُ ان یکون ذالک مکشوفًا لبعض الاولیاء والعلماء۔

آیت ۱۰ ۔ یسئلونک عن الساعۃ قل انما علمھا عند اللّٰہ' لوگ تم سے قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں' آپ کہہ دیں کہ اس کا علم تو اللہ کے پاس ہے۔

تفسیر صاوی میں ہے' کہ اس سوال کے وقت تک آپ کو جملہ مغیبات اور علوم الساعت کے متعلق پوری طرح مطلع نہیں فرمایا تھا' لیکن جب آپ اس دنیا سے تشریف فرما ہوئے' تو آپ ان سے مطلع ہو چکے تھے' اس آیت سے یہ تو بالکل ثابت نہیں ہوتا' کہ قیامت کے متعلق آپ کو علم نہ تھا' صرف یہ ثابت ہوتا ہے' کہ علم ساعت کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی ہدایت ہوئی ہے' یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے' کہ آپ اپنے مخاطبین کے سامنے علوم ساعت کا اظہار نہ کریں' اور مزید سوال و جواب کی الجھنوں میں نہ پھنسیں' کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہی یہی ہے' کیونکہ ایسی باتوں کا کلی اظہار فرائض نبوت میں سے نہیں۔

آیت ۱۱۱۔ ومنهم من قصصنا علیک ومنهم من لم نقصص علیک یعنی ہم نے آپ پر بعض پیغمبروں کے قصے بیان کئے اور ان میں سے بعض کے نہیں کئے، قرآن مجید میں ہے کلاً نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فوادک یعنی ہم تمہیں سب کچھ رسولوں کی خبریں سناتے ہیں جس سے آپ کا دل ٹھیرائیں حضرت ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں، کہ منهم من قصصنا علیک ومنهم ومن لم نقصص علیک میں نفی علم تفصیلی کی ہے، اور اثبات علم اجمالی کا ہے، یا نفی وحی ظاہر کی ہے اور ثبوت وحی خفی کا ہے، اسی وجہ سے ہے، کہ آپ نے پیغمبروں کی تعداد اور ان میں سے مرسلین کی تعداد بیان فرمادی، جملہ انبیاء آپ سے ہی تھے اور بیت المقدس میں شب معراج آپ کے مقتدی بنے اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ آپ کو یہ علم حاصل نہ ہوا ہو" مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں لکھتے ہیں کہ عالم حقیقی رسول اللہ ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء بالعرض ہیں گیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کی ذات جوہر ہے، جو دوسرے انبیا اور اولیاء کے علوم کا سرچشمہ ہے، پھر کیونکر ممکن ہے کہ آپ کو دوسرے انبیاء کا علم نہ دیا گیا ہو، اگر تمام انبیاء کا حال قرآن مجید میں صراحتہً بیان نہیں کیا گیا، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وحی خفی سے بھی آپ پے روشن نہ ہوا ہو۔

اب ہم ذیل میں منکرین کے چند شبہات پیش کرتے ہیں جن کی بناء پر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کی نفی پر استدلال کرتے ہیں، اور اہل فکر کے لئے اپنی جہالت کا ثبوت لاتے ہیں۔

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض علم غیب حاصل ہے، ایسا بعض تو ہمیں بھی حاصل ہے۔

الجواب۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے علم سے اپنے علم کا موازنہ کرنا فقدانِ دین ودانش کا ثبوت ہے

ع چہ نسبت خاک را بہ عالمِ پاک!

حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا بعض بمقابلہ علم الٰہی ہے، جو ہمارے لئے لا متناہی ہے، حضور صلعم کا علم اگرچہ متناہی ہے، مگر ہمارے علوم کے پیش نظر غیر محدود ہے، کیونکہ وہ جملہ مخلوقات کے مجموعی علم سے زائد ہے، ہم اپنے حواس ظاہری اور باطنی سے اس کا مطلقاً احاطہ نہیں کر سکتے، جو آدمی حضور کے حق میں ایسے گستاخانہ کلمات اور شبہات پیش کرتے ہیں، وہ درحقیقت اپنی بے حیائی کا دم بھرتے ہیں۔

(۲) جن چیزوں کا آپ کو علم ہو گیا وہ غیب نہ رہیں، لہٰذا آپ کے لئے علم غیب بہ عطائے الٰہی ماننا بھی جائز نہیں۔

الجواب۔ ایسا اعتقاد رکھنے سے تو حق تبارک وتعالےٰ بھی غیب دان نہ رہے گا، کیونکہ اس کے احاطۂ علم سے کوئی شے باہر نہیں، کما قولہ تعالےٰ لا یخفی علیہ شیئٌ فی الارض ولا فی السماء وقولہ تعالیٰ وھو بکل شیئٍ علیم ایسی صورت میں خدا تعالیٰ کو عالم غیب کیونکر کہا جا سکتا ہے، حالانکہ وہ خود ارشاد فرماتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ صاف ظاہر ہے، کہ غیب سے مراد وہ امور مراد ہیں جو مخلوقات پر مخفی ہیں، ورنہ خدا کے لئے تو کوئی بات مخفی نہیں، اور حضور کے علم غیب سے وہ امور عبارت ہیں جو آپ پر ظاہر اور دیگر مخلوقات پر مخفی ہیں، اور آپ کو بہ تعلیم الٰہی حاصل ہوتے ہیں، جیسے احوال قیامت اور جنت ودوزخ وغیرہ، جن پر ہمارا ایمان بالغیب ہے۔

(۳) منافقوں نے حضرت ام المؤمنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر تہمت لگائی، اگر آپ کو علم

غیب حاصل ہوتا، تو آپ بتادیتے کہ میری بیوی اس الزام سے بَری ہے۔

الجواب - اس معاملہ میں کچھ مدت تک آپ کی خموشی نفی علم غیب پر دال نہیں، بلکہ صدہا اسرار وحکم پر مبنی تھی، جس کے نتیجے میں اُن کی بریّت میں اٹھارہ آیات نازل ہوئیں جنہیں نمازی نمازوں میں پڑھتے اور صدیقہ کی شانِ عفت میں گیت گاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں منافقین اور منکرین کی چھاتی پر ہر روز مونگ دلتے ہیں، اگر نزول وحی سے پہلے آپ ان کی صفائی میں کچھ کہتے، تو منافقین کو قیامت آتش حسد وبغض میں جلانے کا سامان پیدا نہ ہوتا، اور آپ کی پریشانی کسی بدظنی کی وجہ سے نہ تھی، بلکہ منافقوں کی افتراپردازی کی وجہ سے تھی، ورنہ آپ پر روشن تھا کہ آخرکار صدیقہ کی صفائی اور دشمنوں کی رسوائی ہوگی، اس لئے آپ نے سکوت فرمایا۔

(۴) - امام المنکرین خلیل احمد انبیٹھوی نے براہین قاطعہ میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی ہے، جس کا مفہوم یہ ہے، کہ آپ کو دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہ تھا۔

الجواب حضرت شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے اس حدیث کی نقل کے بعد فقرہ لا اصل لہ جس کو جناب ناقل بالکل ہضم کر گئے، ایسی خیانت اور بددیانتی ہے خدا کی پناہ اسی طرح اس گروہ کے حوالہ کی نقل میں بددیانتی سے کام لیتے ہیں، تاکہ عوام کو گمراہ کرنے میں آسانی ہو، مثلاً مولوی حسین علی وان بھچرانی نے رسالہ غیب دانی میں آیت سورۂ جن کی نقل میں یوں خیانت کی، کہ لا یظہر علے غیبہ سے نفی غیب کو ثابت کر لیا، اور اس کے دوسرے جزو کو الا من ارتضی من رسول کو صاف ہضم کر گئے، اسی طرح دیگر منکرین نے بھی نقل عبارت اور ترجمہ میں اپنے وہابی دہرم کے ثبوت میں سخت بددیانتی سے کام لیا ہے، جو ان کی باطل پرستی کا بین ثبوت ہے۔

(۵) حدیث میں ہے - واللہ ما ادری وانا رسول اللہ ما یفعل بی ولا بکم - یعنی میں نہیں جانتا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں، کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا۔

الجواب - یہ حدیث آیت سورۂ احقاف کی مانند ہے، جس کا ذکر گذشتہ صفحات میں گزر چکا یہاں ہم صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں، کہ اس میں علم غیب بالدرائت کی نفی ہے، اور درایت عقل اور قیاس سے کسی چیز کے جاننے کو کہتے ہیں، جیساکہ رد المختار کے صـ۹۷ میں ہے (والراجح الدرایۃ) بالرفع عطفاً عن الاشبہ ای الراجح من جہت الدرایتہ ای ادراک العقل بالقیاس علی غیرہ اس طرح قیاس سے علوم غیبی کا انکشاف عقول انسانی کے اختیار میں نہیں، اور اس نفی کے ہم بھی قائل ہیں، یہاں علم غیب بعطائے الٰہی کی نفی نہیں، جس پر ہمارا ایمان ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری حالت سے بہتر ہے، جیساکہ نص صریح والاخرۃ خیر لک من الاولی سے ثابت مشکوٰۃ شریف میں ہے، کہ ہم اولاد آدم کے سردار ہیں، اُس روز لواء الحمد ہمارے ہاتھ میں ہوگا آدم و آدمیاں ہمارے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، وغیرہ یہ بھی تو آپ اپنی ہی حالت بیان فرمارہے ہیں، پس حدیث مندرجہ عنوان کا تطابق اس حدیث سے کیونکر ہوگا۔

(۶) ایک سفر میں حضرت ام المومنین صدیقۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوگیا جس کی جگہ جگہ تلاش کی

گئی، اگر حضور کو علم غیب ہوتا، تو آپ کو تلاش کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔

صاحب الکلمۃ العلیا، ص ۱۱۱ میں شبہ مذکورہ کے جواب میں فرماتے ہیں:۔

بخاری و مسلم کی حدیث ہے، فبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجلاً فوجدھا، امام بغوی اس کی شرح میں فرماتے ہیں، یحتمل ان یکون فاعل وجدھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہار کو پانے والے بھی آپ ہی تھے پھر جب آپ نے وہ ہار پایا اور نہ بتایا تو اس سے عدم علم کیونکر ثابت ہوگیا۔

شبہ ۷ - جمیع اشیاء غیر متناہی ہیں، پھر حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیر متناہی کا علم کیونکر ہو سکتا ہے؟۔

الجواب - حضرت امام فخر الدین صاحب رازی رحمۃ اللہ علیہ آیۃ واحاطہ بما لدیھم واحصی کل شیٔ عددا کے تحت میں رقمطراز ہیں، قلنا لا شك ان احصاء العدد انما یکون فی المتناھی فاما لفظۃ کل شیٔ فانہا لا تدل علی کونہ غیر متناھی لان الشیٔ عندنا ھو الموجودات والموجودات متناھیۃ فی العدد اس عبارت سے موجودات کا متناہی ہونا ثابت ہوا، پھر کوئی وجہ نہیں کہ متناہی کا علم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیع خزانہ علوم میں نہ سما سکے۔

(۸) معراج کے بعد جب جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار نے بیت المقدس کا حال دریافت کیا، تو آپ متردد ہوئے، جب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس حضور کے سامنے کیا، جب حضور نے کافروں کو اس کا حال بتایا۔

الجواب - اگر

آپ کسی سوال کے جواب میں تحمل اور تامل سے کام لیتے ہیں، تو یہ امر آپ کے وقار و حلم پر دال ہے، عدم علم پر دال نہیں، یہ بات آپ کی عادت مبارکہ میں تھی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کے سوال کے وقت جواب میں وحی الٰہی کا انتظار فرماتے اور جس طرح کا اشارہ پاتے، اُس کے مطابق گفتگو فرماتے، اور خدا تعالےٰ کا آپ کے سامنے بیت المقدس کو پیش کر دینا آپ کی عظمت اور عزت کا ثبوت ہے، تاکہ آپ وہ باتیں بھی بیان فرما سکیں، جن کا آپ کو علم تو ہے، مگر اس وقت توجہ میں نہیں، ورنہ بوقت معراج آپ کا بیت المقدس میں جانا اور انبیاء علیہم السلام کا مقتدا بننا تو مخالف بھی مانتے ہیں۔

(۹) معراج شریف کے وقت آپ کا جبرائیل علیہ السلام سے سوال کرنا کہ یہ کیا ہے، اور وہ کیا ہے، اس امر پر دال ہے، کہ بذات خود نہ جانتے تھے۔

الجواب - یہ سوال سائل کی جہالت کا آئینہ دار ہے، کیونکہ وہ بار بار بیان کرنے کے باوجود بھی ہمارے عقیدہ کو نہیں سمجھ سکا، ہم نے کب کہا کہ آپ بالذات بلا تعلیم وحی علم غیب جانتے تھے، یہاں منکر حصولِ علم غیب میں وحی کی ضرورت کا انکار کر رہا ہے، اور یہ انکار وہی ہے، جس کو ہم نہیں مانتے ہیں، پھر خواہ مخواہ اعتراض تراشی سے کیا فائدہ بجز اس کے کہ کوئی بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تنقیص شان میں مل جائے، جو ہمیں منظور نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپ کو بہت سے علوم شب معراج میں حاصل ہوئے، اور حصولِ علوم کا سلسلہ یہاں ہی ختم نہیں ہوگیا، بلکہ تا اختتام نزول قرآن جاری رہا، منکرین کے خیال میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ ہم علم ما کان وما یکون آپ کے لئے یوم

پیدائش ہی سے ثابت کرتے ہیں حالانکہ ہم اس بارے میں تدریج کے قائل ہیں، اس عقیدہ کے ہوتے ہوئے منکرین کے کئی متعصبانہ، جاہلانہ اور غیر دانشمندانہ سوالات خود بخود ہی باطل ہو جاتے ہیں، منکرین یہاں اپنے ادراک کی آنکھوں سے داگروہ رکھتے ہوں تو دیکھ لیں کہ آپ علم غیب بذریعہ تعلیم الٰہی بوساطت جبریل علیہ السلام (جس کو ہم وحی کہتے ہیں) حاصل کر رہے ہیں جس کا تکرار صفحات گذشتہ میں کئی دفعہ ہوا۔

بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو سائل مجیب سے دوسروں کی تعلیم کے لئے پوچھتا ہے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ سے ایمان اور احسان کے متعلق سوال کیا، اس سے ہمارا یہ مطلب ہے، کہ محض سوال کرنے کی بنا پر کسی پر عدم علم کا فتویٰ لگا دینا اوچھا پن ہے، جو اہل نظر کے لئے جائز نہیں۔

(۱۰) ابو داؤد شریف میں ہے، کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی تو پاپوش مبارک اپنے پاؤں سے اتار دی، یہ دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی اپنی پاپوشیں اتار دیں، سرور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فراغت نماز کے بعد صحابہ کرام سے دریافت فرمایا، کہ تم نے ایسا کیوں کیا، انہوں نے جواباً عرض کیا، کہ ہم نے حضورؐ کی تقلید میں یوں کیا، آپ نے فرمایا کہ جبرائیل علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی، کہ ان میں نجاست ہے، اگر حضور غیب دان ہوتے، تو کیوں نجاست والی پاپوش سے نماز پڑھتے۔

الجواب - پاپوش مبارک کا بحکم وحی پاؤں سے اتارنا آپ کے تنظیف اور تطہیر کی وجہ سے تھا، ورنہ جوتیوں میں ایسی نجاست نہ تھی، جس کی وجہ سے نماز جائز نہ ہو، نہیں تو آپ نعلین مبارک کے اتارنے پر ہی اکتفا نہ فرماتے بلکہ نماز کا اعادہ بھی کرتے، جو آپ نے نہیں فرمایا، جبرائیل علیہ السلام کا آپ کو اس معمولی سی نجاست کی بھی خبر دینا حضور علیہ السلام کی عظمت اور رفعت شان کے اظہار کے لئے ہے، اس سے عدم علم پر استدلال کرنا نافہمی اور سوء ادب پر دال ہے، حضرت شیخ عبد الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ شریف میں فرماتے ہیں۔

"قذر بفتح قاف وذال معجمہ در اصل آنکہ مکروہ پندارد آں را طبع وظاہر آں نجاستے بود، کہ نماز باں درست نباشد بلکہ چیزے بود مستقذر کہ طبع آں را ناخوش دارد، والا نماز از سر نو بگرفت، کہ بعضے نماز باں گزاردہ بود، وخبر دادن جبریل علیہ السلام وبر آوردن پا از پاپوش بجہت کمال تنظیف وتطہیر بود کہ لائق بجال شریف وے بود (الکلمۃ العلیا)۔"

(۱۱) بخاری شریف میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حجرے کے دروازے پر ایک جھگڑا سنا، آپ نے باہر تشریف لا کر فرمایا، کہ میں بجز آدمی کے کچھ نہیں، میرے پاس جھگڑنے والے آتے ہیں، شاید تم میں سے کوئی ایک دوسرے کے مقابلے میں زیادہ خوش بیان ہو، اور اس کی خوش بیانی سے میں اس کو سچا جانوں، اور اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، پس جس کو میں مسلمان کا حق دلاؤں، وہ سمجھے کہ میں اسے جہنم کا ایک ٹکڑا دلاتا ہوں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ آپ غیب دان نہ تھے، ورنہ خلاف حق فیصلہ کرنے کا احتمال کیوں ظاہر کیا۔

الجواب - اسلوب کلام کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حدیث سے یہ مستنبط ہوتا ہے، کہ آپ کا مقصد تہدید ہے، تاکہ لوگ خوش بیانی اور زور استدلال کے مقابلے میں حق کو اختیار کریں، حدیث شریف کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

فان قضیت لاحد منکم بشئ من اخیہ فانما اقطع لہٗ قطعۃ النار یعنی اگر میں تم میں سے کسی کو دوسرے کا حق دوں تو وہ اُس کے لئے آگ کا ٹکڑا ہے، یعنی تم کسی کا حق لینے کی کوشش ہی نہ کرو، یہاں انکار علم غیب کا سوال نہیں جس کا ثبوت یہ ہے، کہ حضور سے عملاً ایسا نہیں ہوا، اگر حضور کی کوئی ایسی مثال مل جاتی جس سے ثابت ہوتا کہ آپ نے کسی کی خوش بیانی کے فریب میں اُسے دوسرے کا حق دیدیا، پھر یہ احتمال درست ہوتا، ایسی خلاف واقعہ بات کو جس کا وقوع صرف امکانی ہے، عملی نہیں بطور ثبوت عدم علم غیب پیش کرنا درست نہیں، آپ نے جو لفظ فرمائے وہ قضیہ شرطیہ ہیں جو صدق مقدم کے مقتضی نہیں، ایک ناممکن بات کو بغرض تہدید فرض کر لیا ہے، یعنی اگر بالفرض ایسا ہو تو بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں، ایسا ہی شرطیہ قرآن مجید میں بھی وارد ہے، کما قولہ تعالےٰ :-

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین یعنی آپ فرماویں کہ اگر خدا کے ہاں بیٹا ہو تو میں پہلا عبادت کرنے والا ہوں، یہاں یہ بھی تو کہا جا سکتا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں خدا کے ہاں بیٹا ہونے کا خدشہ تھا، (معاذ اللہ) مگر یہ شرطیہ ہے، اور شرطیات مقدم کے صدق کو مستلزم نہیں ہوتے، چنانچہ ان میں فرض محال تک بھی ہوتا ہے، چنانچہ اس آیت اور حدیث میں ایسا ہی ہے، ورنہ حضور سے خلاف حق فیصلہ کا وقوع ممکن نہیں، ملخصاً الکلمۃ العلیا مشارق ——— مشارق کی اصل عبارت یہ ہے: وان قولہ علیہ السلام فان قضیت لہٗ بحق مسلم الخ شرطیۃ وھی لا تقتضی ... فیکون من باب فرض المحال نظرا الی عدم جواز قرارہ علی الخطاء ویجوز ذلک اذا تعلق بہ غرض کما فی قولہ تعالیٰ قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العابدین والغرض فیما نحن فیہ التہدید والتقریع علے اللسن والاقدام علی تلحین الحجج فی اخذ اموال الناس -

(۱۲) آپ کو شہد بہت پسند تھا، اور آپ حضرت زینب کے پاس اکثر تشریف فرما کر شہد نوش فرماتے تھے حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے مشورہ کیا، کہ ہم میں سے جس کے پاس حضرت تشریف لائیں وہ آپ سے کہہ دے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بُو آتی ہے، تو آپ فرمائیں گے کہ میں نے تو شہد پیا ہے، تو یہ جواب دے کہ شہد کی مکھی مغافیر پر بیٹھی ہو گی، پس چونکہ آپ کو بدبُو سے نفرت ہے، اس لئے آپ شہد کا استعمال ترک کر دیں گے، نتیجۃً حضرت زینب کے پاس نشست کم ہو جائے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قسم کھائی کہ اب کبھی شہد نہ پیوں گا، اس پر یہ آیت اُتری، یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک، اگر حضرت غیب دان ہوتے تو کیوں ایک بناوٹی ہوئی بات پر شہد چھوڑنے کی قسم کھا لیتے :-

الجواب :- یہاں حرام کر دینے سے آپ کا ترک کر دینا مراد ہے، اعتقاداً ایسا نہیں، جس شخص کا یہ اعتقاد ہو کہ آپ نے خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام قرار دیا، تو بالاتفاق کافر ہے، تفسیر سراج المنیر میں اسی آیت کے ضمن میں ہے بان المراد بھذا التحریم ھو الامتناع من الانتفاع بالازواج لا اعتقاداً (البتہ آپ کے حرام کرنے سے مراد اپنی ذات کو شہد کے استعمال سے روکنا ہے، از روئے اعتقاد حلال کو حرام ٹھیرانا مراد نہیں، والنبی صلی اللہ علیہ وسلم امتنع الانتفاع بھا مع اعتقاد کونھا حلالاً فان من اعتقد ان ھذا التحریم ھو تحریم ما احل اللہ

فقد کفر فکیف یضاف الی النبی صلی اللہ وعلیہ وسلم یعنی آپ نے شہد کو اپنے لئے اس کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے منع فرمایا پس جو شخص اعتقاد کرے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالےٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام فرمایا' تو ایسا اعتقاد کرنے والا کافر ہے، پھر حضور کی طرف یہ نسبت کیسی ہوسکتی ہے" تبتغی اے تریدا درۃ عظمۃ من مکارم اخلاقک وحسن صحبتک مرضات ازواجک' یعنی آپ اپنے خلق عظیم اور کرم عمیم کی وجہ سے ازواج مطہرات کی خوشنودی اور رضامندی چاہتے تھے' اور آپ کے حسن صحبت کا تقاضا تھا' جس کی بنا پر آپ نے شہد سے متنفع ہونا بند فرمایا' اس میں نفی علم کہیں ثابت نہیں ہوتی' فقط ایک حلال چیز سے اپنے آپ کو روکنا ہے' وہ بھی حسن اخلاق کے باعث' ابی منافق نے جس کا نفاق اظہر من الشمس ہو چکا تھا' مرتے وقت اپنے لئے آپ کی قمیص مبارک طلب کی' آپ نے باوجود اس علم کے کہ وہ منافق ہے' اُس کو وہ قمیص مرحمت فرمائی' پس رحمۃ اللعالمین کی جانب سے یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ آپ ازواج مطہرات کی خوشنودی اور رضامندی کے لئے اپنے ذاتی فائدہ کو ترک فرمادیں۔

سراج المنیر میں ہے کہ تبتغی مرضات ازواجک کا خطاب بوجہ عتاب نہیں تھا' کیونکہ آپ نے محض کمال نظافت و لطافت کے باعث یہ بھی گوارا نہ فرمایا' کہ کسی قسم کی بو آپ سے متعلق کی جاسکے' ورنہ اگر اس بات میں کچھ بھی حقیقت ہوتی تو آپ دوسروں کی بہ نسبت مغافیر کی بو زیادہ محسوس فرما سکتے تھے' اور بار بار اپنی ہر اہلیہ کو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کہ میں نے شہد کھایا ہے۔

(۱۳) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اپنے والد کے قرضہ کے سلسلہ میں حاضر ہوا' اور دروازہ کھٹکھٹایا' آپ نے دریافت فرمایا' کہ کون ہے' میں نے عرض کی' کہ میں' حضورؐ نے فرمایا' کہ میں تو میں بھی ہوں' گویا یہ کلمہ آپ کو ناگوار گزرا' اگر آپ غیب دان ہوتے تو کیوں دریافت کرتے' کہ تم کون ہو' حضورؐ کو خود ہی معلوم ہو جاتا۔

الجواب - اگر کسی حکمت کی بنا پر باوجود علم کے کوئی چیز دریافت کی جائے' تو اس سے نفی علم کا ثبوت نہیں ملتا' نہ یہ بات عدم علم پر بطور حجیت پیش کی جاسکتی ہے' خدا تعالےٰ موسےٰ علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے' وما تلک بیمینک یموسیٰ قال ھی عصای اتوکؤا علیھا واھش بھا علےٰ غنمی ولی فیھا مارب اخریٰ۔ یہاں خدا کے علم کے بارے میں منکرین کا کیا خیال ہے۔

حدیث مندرجہ عنوان کو غور سے دیکھنے سے یہ بھی تو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس سوال جواب کا حال آپ کو پہلے سے معلوم تھا' یعنی آپ جانتے تھے' کہ میرے سوال پر مخاطب یہ جواب دیگا' جو اُس نے دیا' پھر میں اُسے تعلیم دوں گا کہ کسی سوال کے جواب میں مبہم جواب نہیں دینا چاہیئے' بلکہ وضاحت سے کام لینا چاہیئے' جس سے سامع کی معلومات میں اضافہ ہو' اگر اُس کی تشفی ہو جائے' مرسلین علیہم کی عادت ہے کہ ہر بات موقع اور ضرورت کے ماتحت کرتے ہیں' اگر یہ موقع پیش نہ آتا تو ہم ایسی مفید ہدائت سے کس طرح مستفید ہوسکتے۔

(۱۴) درود شریف وسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں بواسطۂ ملائکہ پیش ہوتا ہے' اگر آپ

غیب داں ہوتے، تو فرشتوں کے ذریعے پیش کرنے کی کیا ضرورت تھی ۔

الجواب ۔ آپ کے حضور میں پیش ہو کر فرشتوں کا اعمال امت پیش کرنا آپ کی رفعت و عظمت شان کے باعث ہے، عدم کے باعث نہیں، ملائکہ خدا کے حضور بھی پیش ہو کر بندوں کے اعمال پیش کرتے ہیں، تو یہ شبہ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی وارد ہو سکتا ہے ۔

صفحاتِ گذشتہ میں اپنے مقام پر متعدد تفاسیر کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی امت کے اعمال قلوب، اخلاص و نفاق، درجات ایمان و یقین، قصد و عزائم و نیات وغیرہ بنورِ نبوت جانتے ہیں ۔

سورۂ توبہ میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، فسیرا اللّٰہ عملکم و رسولہ والمؤمنون، یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ اس کا رسول اور مومنین تمہارے اعمال دیکھیں گے، سؔ استقبال قریب کے لئے ہے، یعنی عالم برزخ میں تمام اعمال عام اس سے کہ وہ اچھے ہوں یا بُرے، خدا تعالیٰ اپنی الوہیت سے دیکھتا ہے، اور حضور علیہ السلام نورِ نبوت سے اور مومنین نورِ ایمان سے، حدیث شریف میں ہے، اتقوا من فراستہ المومن فانہ ینظر بنور اللہ تعالیٰ یعنی مومن کی فراست سے، ڈرو کہ وہ یقیناً نورِ حق سے دیکھتا ہے، آیت مذکورہ میں دیکھنے کے فاعل خدا، رسول اور مومنین ہیں، جن کے دیکھنے کا وقت ایک ہی ہے، مختلف اوقات نہیں، وہ وقت خواہ برزخ کے عالم میں ہو، یا وقوع عمل کے فوراً بعد، بہر حال اس معاملہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین حق و تبارک و تعالیٰ سے شرکت رکھتے ہیں، افسوس اب منکرین کا کہیں ٹھکانا نہ رہا ۔

(۱۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں علم غیب کا اعتقاد رکھنے والے لوگ انہیں حق تعالیٰ کی صفتِ علم میں شریک کرتے ہیں، جس سے حق تبارک و تعالیٰ سے ان کی مساوات لازم آتی ہے ۔

الجواب ۔ یہ محض منکرین کا وسوسہ اور اہلِ سنت والجماعت کے عقیدہ سے جہالت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم متناہی ہے، اور خدا تعالیٰ کا علم غیر متناہی، خدا تعالیٰ کا علم ذاتی اور آپ کا عطائی، پھر مساوات کیونکر لازم آئی ۔ اگر منکرین خدا کی صفت میں کسی کے شریک ہونے سے ڈرتے ہیں، تو آپ خدا کی رحیمی، رؤفی میں شریک ہیں، دیکھو سورہ توبہ کی آیت لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف الرحیم اور رسول کے لئے قرآن مجید میں لفظ شہید اور کریم بھی آئے ہیں، اور خدا کے لئے بھی، پس یہ اسمی شرکت صفت کی شرکت ہے، تو کیا اس سے آپ نعوذ باللہ خدا کے شریک ٹھیرے، یہ صرف وہابیوں کی غلطی ہے، یہاں بھی خدا کی یہ صفتیں ذاتی ہیں، اور حضور کی عطائی، ایسا خیال کرنے سے مساوات و شرکت کا سوال پیدا ہی نہیں ہوا ۔

(۱۶) قاضی خاں میں ہے، رجل تزوج امراۃ بغیر شہود فقال الرجل والمراۃ خدا و رسول را گواہ کردیم قالوا یکون کفراً لانہ اعتقد ان رسول اللہ علیہ السلام یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت، یعنی ایک مرد نے ایک عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا، پس مرد اور عورت

نے کہا کہ ہم نے خدا ورسول کو گواہ کیا، فقہا کہتے ہیں کہ یہ کفر ہے، کہ انہوں نے اعتقاد کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیب جانتے ہیں؛ حالانکہ آپ زندہ ہونے کی صورت میں بھی غیب نہ جانتے تھے، چہ جائیکہ وصال کے بعد۔

منکرین کے پیشواؤں خلیل ورشید نے عبارت بحر الرائق جو نکاح مذکور کی تکفیر میں پیش کی تھی، اس کی تردید میں مصنف تقدیس الوکیل عن توہین رشید وخلیل فرماتے ہیں " ہر چند اس میں بہت کلام ہے، مگر اسی جگہ اتنا ہی جواب کافی ہے، کہ رد المختار علی الدر المختار اور حاشیہ طحطاوی وغیرہما بہ سند تاتار خانیہ وفتاوی حجۃ وملتقط وغیرہا سے تصریح ہے، ان الروایۃ التکفیر ضعیفۃ غیر صحیحۃ لان الاشیاء یعرض صلی اللہ علیہ وسلم ویعرف بعض الغیب باعلام منہ بدلیل آیت علم الغیب فلا یظہر علٰی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول الآیۃ بل الاطلاع علی بعض الغیوب من کرامات الاولیاء ھذہ خلاصۃ مافی رد المختار والطحطاوی وھکذا فی المجموعۃ الخانی وغیرھا، یعنی یہ روائیت تکفیر کی غیر صحیح ہے، کیونکہ آپ پر اشیاء عرض ہوتی ہیں، اور باعلام الٰہی بعض غیب جانتے ہیں، بدلیل اس آیت کے کہ خدا غیب داں ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مگر پسندیدہ رسول کو، بلکہ بعض غیب پر اطلاع اولیاء کی کرامات میں داخل ہے، یہ خلاصہ ہے، رد المختار طحطاوی اور مجموعہ خانی وغیرہ کی عبارت کا۔

فقہ حنفی کی بہت سی معتبر کتابوں میں یہی درج ہے، کہ روائیت تکفیر غیر صحیح ہے، پس غیر صحیح روایت سے سرور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلت علم پر استدلال کرنا اور اہل اسلام کی تکفیر کمر باندھنا متبعین تقویۃ الایمان کے سوا کسی ذی علم کا کام نہیں، پس اگر فتاوی قاضی اور بحر الرائق کی عبارتوں کا مفہوم یہ ہے، کہ خود بخود بلا تعلیم الٰہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، تو اس کو ہم بھی کفر سمجھتے ہیں، اور اگر بعطاوبہ تعلیم الٰہی کی نفی ہے، تو یہ ہرگز صحیح نہیں، کیونکہ یہ بہت سی آیات، حدیث ودیگر کتب دینیہ کے خلاف ہے، اور اس سے انکار کرنا کفر کے مترادف ہے۔

نیز نکاح کرنا ایک عمل ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام امت کے اعمال اچھے ہوں یا بُرے، بہ نور نبوت دیکھتے ہیں، جیسا کہ اوپر متعدد کتب کے حوالہ سے درج ہوا، پس عبارت قاضی خاں وبحر الرائق خلاف منقولات ہے، اور نص کے مقابلہ میں قیاس مردود ہے۔

محاکمہ

اب ہم غیب کے متعلق اس قدر لکھ چکنے کے بعد اس قابل ہو گئے ہیں کہ اہلِ سنت و الجماعت اور منکرین کے بیانات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے معقول فیصلہ کر سکیں؛ جو اہلِ عقل و نقل کے لئے یکساں طور پر قابلِ قبول ہو۔

یہ صحیح ہے کہ دونو فریق (مثبتین اور منکرین) قرآن اور حدیث سے استدلال کرتے ہیں اگر ان کے دلائل کو صحیح تسلیم کر لیا جائے، تو قرآن مجید میں تضاد لازم آتا ہے، حالانکہ قرآن مجید میں تضاد و اختلاف کا اعتقاد کفر ہے؛ پھر اس اختلاف کا جو بعض آیات میں بظاہر نظر آتا ہے، اس کا ارتفاع کیونکہ ہو؟ ذرا سے تامل سے یہ فرق واضح ہو جاتا ہے اور وہ حقیقت و مجاز کا فرق ہے، جیسا کہ کتاب ہذا کی ابتدا میں مرقوم ہوا؛ یعنی فاعل حقیقی تو ذات باری تعالے ہے، اور مخلوقات میں سے کسی کی طرف کسی فعل یا صفت کا انتساب مجازی ہے؛ خدا تعالے کے اوصاف ذاتی ہیں اور مخلوق کے اوصاف خدا تعالے کے عطا کردہ ہیں اس فرق کو پیشِ نظر رکھنے سے موہومہ اختلافاتِ آیات خود بخود اُٹھ جاتا ہے، علم غیب کے بارے میں ہم ذرا وضاحت سے کام لیتے ہیں؛ اور اہلِ سنت والجماعت کا اس کے متعلق عقیدہ بیان کرتے ہیں؛ جس پر بغور نظر کرنے سے بہت سے اختلافات اور غلط فہمیاں خود بخود دُور ہو جائیں گی۔

(۱) ذاتی علم غیب صرف خدا تعالے کے لئے ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم غیب خدا تعالے کا عطا کردہ ہے (۲) خدا تعالے کا علم محیط کل اور غیر متناہی ہے، مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم خدا تعالے کے علم کا بعض اور متناہی ہے۔

(۳) حضور کا یہ بعض خدا تعالے کے مقابلہ میں ہے، مخلوقات کے مقابلہ میں نہیں؛ مخلوقات کے لئے یہ بعض بھی لا متناہی ہے کیونکہ اُس کا اندازہ ناممکن ہے۔

(۴) آپ کا علم مخلوقات کے جمیع علوم سے زیادہ ہے، لیکن خدا کے مقابلہ میں ایسا ہے، جیسا کہ سمندر کے مقابلہ میں قطرہ۔

(۵) آنجناب کو یہ علم بتدریج عطا ہوا؛ یہ سلسلہ تا اختتام نزولِ قرآن جاری رہا؛ نزولِ قرآن کے اتمام پر اللہ تعالے آپ کو جملہ مغیبات کا جسے ہم ما کان و ما یکون کہتے ہیں، علم عطا فرمایا۔

(۶) آپ باوجود جاننے کے بعض امور کے کتمان پر مامور تھے؛ اور بعض امور کا کتمان کسی حکمت کی بنا پر ہوتا تھا جو کسی موقع محل اور ضرورت اظہار کا متقاضی تھا۔

(۷) آپ کا باوجود جاننے کے بعض امور کا کسی دوسرے سے دریافت کرنا بھی کسی حکمت کی بنا پر تھا۔

(۸) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علوم اجمالی ہیں، تفصیلی علوم خدا تعالے کے لئے ہیں۔

امور مندرجہ بالا کے پیشِ نظر ہمیں آیات قرآنی پر غور کرنا چاہیئے اور اُن سے یہ نتائج اخذ کرنے چاہئیں۔

(۱) آیات میں جہاں آپ کے لئے علم غیب کی نفی کی گئی، وہاں علم غیب ذاتی مراد ہے؛ جو صرف خدا تعالیٰ کے

لئے ہے (۲) جہاں علم غیب کا اثبات ہے وہاں علم غیب عطائی بہ تعلیم الٰہی مراد ہے، جو آپ کا خاصہ ہے۔
(۳) بعض جگہ قرآن اور حدیث میں جو آپ کی ذات سے جو علم غیب کی نفی کی گئی ہے، یہ اس وقت تک تو درست ہے، جس وقت وہ کی گئی بعد میں وہ علم آپ کو حاصل ہو گیا یعنی یہ بات اس وقت کے بعد علم غیب عطا ہونے کے منافی نہیں (۴) بعض امور کا اخفا آپ نے کسی حکمت کی بنا پر کیا، تاکہ اُس کا اظہار بوقت ضرورت ہو، پس جب آپ نے اس کے اظہار کا موقع اور مخاطبین میں اُس کے قبول کی رغبت وصلاحیت دیکھی تو آپ نے ظاہر فرما دیئے۔

اس معاملہ میں جہاں بعض افراد اہل السنت والجماعت نے افراط سے کام لیا، وہاں گروہ منکرین نے تفریط کو اس حد تک پہنچا دیا، جس کے ڈانڈے انکار آیاتِ قرآنی سے جا ملتے ہیں، اور ایسی تو کوئی بات یا شبہ نہیں، جو گستاخی شوخی اور سوءِ ادب تک نہ جا پہنچے، اہل السنت والجماعت کے بعض افراد نے آپ کے لئے جملہ علوم غیبی یوم پیدائش ہی سے تصور کر لئے، اور اُن میں تدریجی ارتقا کو صاف نظر انداز کر دیا، جہاں کہیں انہیں آپ کا بہ تعلیم الٰہی بذریعہ الہام و وحی وغیرہ علم غیب سیکھنا نظر آیا، وہاں بھی جھٹ یہ کہہ دیا کہ یہ بات تو آپ پہلے سے ہی جانتے ہیں، حالانکہ یہ امر مسلم ہے، یہ علوم آپ کو بتدریج سکھائے گئے، جس کی انتہا اتمام نزول قرآن کے دن اتممت علیکم نعمتی کی مہر لگ چکنے کے بعد ہوئی والآخرۃ خیر لک من الاولیٰ میں اسی امر کی طرف اشارہ ہے، کہ جوں جوں آپ کے علوم میں اضافہ ہوتا گیا، آپ کی بعد کی حالت پہلی حالت سے بہتر ہوتی چلی گئی، اگر اس تدریجی ارتقا سے انکار کیا جائے تو رَبِّ زِدْنِی عِلْمًا کے کیا معنی لئے جائیں گے اور کیا اس بات کو تسلیم کرنے سے آپ کی شان میں کمی واقع ہوتی ہے، حاشا وکلا، کیونکہ یہ امر واقع ہے، اس سے انکار کرنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے، اسی امر کے انکار نے منکرین کو بہت سے اعتراضات اور شبہات گھڑنے کی جرأت دلائی، مثلاً قرآن مجید میں ہے، یسئلونک عن الساعۃ قل انما علمہا عند اللہ یہاں اگر صاف اقرار کر لیا جائے، کہ آیت کے نزول تک، واقعی علم الساعت آپ کو کماحقہ حاصل نہ تھا، تو اس میں کونسی خرابی لازم آتی ہے، اور اہلسنت کی خواہ مخواہ تاویلات سے کام لے کر آپ کے لئے نزول آیت کے وقت علم الساعت ثابت کرنے کی کیا ضرورت ہے، نہیں تو منکرین سے صرف یہ سوال کرنا چاہیئے، کہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی کیا آپ کو علم ساعت عطا نہیں کیا گیا، اگر نہیں تو قرآن مجید اور احادیث میں جو کچھ احوال قیامت کے متعلق بیان ہوا ہے، اُس سے انکار لازم آتا ہے، یا نہیں؟ اگر لازم آتا ہے تو یہ انکار منکرین کو مبارک ہو، ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

بعض مقامات پر جہاں صاف ثابت ہوتا ہے کہ بعض مغیبات آپ کے مشاہدہ میں لائے جا رہے ہیں اور بذریعہ وحی یا الہام آپ پر وہ منکشف فرمائے جا رہے ہیں، وہاں منکرین کو ضلالت اور جہالت کی شب دیجور میں دُور کی سوجھی ہے، کہ اگر حضورؐ کو علم غیب ہوتا، تو ایسا وقوع میں کیوں آتا، جیسا کہ شب معراج میں آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے کئی امور کے متعلق استفسار فرمایا، یہاں علمائے اہل سنت والجماعت کے لئے یہی جواب دینا کافی ہے، کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے جملہ مغیبات کا علم یوم پیدائش ہی سے نہیں مانتے، ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کو یہ علوم بتدریج بہ تعلیم الٰہی بذریعہ الہام و وحی حاصل ہوئے، جس کی ایک جھلک تم خود دیکھ رہے ہو اور اُس پر اعتراض کر رہے ہو۔

منکرین نے تفریط میں کمال کر دکھایا' اور حضورؐ کے لئے بعض علم غیب عطائی جزوی طور پر ماننے سے بھی انکار
کر دیا' جس سے صدہا آیات واحادیث کا انکار لازم آتا ہے' لیکن اس کی انہوں نے بالکل پرواہ نہیں کی اور نفی علم
غیب پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا' اس سلسلے میں انہیں اپنی کہی ہوئی باتوں کا بھی پاس نہ رہا' اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے کو گھٹاتے گھٹاتے بھاٹی کے برابر کر دیا' اور صفتِ علم میں اُنہیں شیطان لعین سے بھی کم قرار
دیا' (نعوذ باللہ من ذلک، براہین قاطعہ میں ہے' غور کرنا چاہیئے کہ شیطان وملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین
کا فخر عالم خلاف قطعیہ بلادلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے' شیطان و
ملک الموت کی یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی' فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے' کہ جس سے تمام
نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ تقویۃ الایمان میں ہے" کہ خدا کا دیا ہوا علم غیب ماننا بھی شرک ہے
مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے رسالہ حفظ الایمان میں حضور کے بعض علم غیب کا مقر ہوتے ہوئے اُسے چوپاؤں
اور دیوانوں کے علم کے ساتھ تشبیہ دی" ان کے ایسے عقائد سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی
ذات سے اُنہیں عداوت ہے اور ان کی رفعتِ شان اور عظمت سے وہ جل مرتے ہیں' انہوں نے جو آیات واحادیث
نفی علم غیب کے سلسلے میں پیش کی ہیں' ان میں بالذات اور بالاستقلال علم غیب کی نفی ہے' لیکن یہ علم غیب عطائی
کو بھی اسی لپیٹ میں لے آئے ہیں' اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' کہ اس طرح خدا اور رسول میں مساوات کا
امکان ہے' حالانکہ اہل اسلام کا عقیدہ ہے' کہ ذاتی علم غیب خدا کا خاصہ ہے' اور عطائی علم غیب حضور کا خاصہ ہے
اور معطی اور معطی علیہ میں مساوات ثابت نہیں ہوتی' کیونکہ معطی کا درجہ ہر حالت میں بلند ہے ا۔

نفی علم غیب کی آیات کو جو وقتی طور پر تھیں' اُن کو منکرین اُسی طرح مانتے ہیں' جس طرح بوقت نزول اُنہیں
ماننا چاہیئے' اور اثبات کی آیات جو بعد میں نازل ہوئیں' ان کی طرف مطلقاً غور نہیں کرتے' مثلاً قرآن مجید میں
منافقین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے لا تعلمهم نحن نعلمهم اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی ولتعرفنهم فی
لحن القول تفسیر جمل میں ہے فان قلتَ کیفَ نُفِیَ عنہ علمُ بحالِ المنافقین وَاُثبتہٗ فی قولہٖ تعالٰی ولتعرفنهم
فی لحن القول فالجواب اَنَّ آیت النفی نزلت قبل آیت الاثبات' یعنی اگر تو کہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے منافقین کا حال جاننے کی نفی کیوں کی گئی' حالانکہ آیت ولتعرفنهم فی لحن القول میں اس کے جاننے کا ثبوت ہے
تو اس کا جواب یہ ہے' کہ نفی کی آیت اثبات کی آیت سے پہلے نازل ہوئی' حدیث شریف میں ہے' کہ حضور علیہ السلام نے
ایک جمعہ کو خطبہ کے وقت ان کے نام لے لے کر مسجد سے باہر نکال دیا' جن کی تعداد تین مرد اور ایک سو سترہ عورتیں بتائی
جاتی ہے' اب منکرین بتائیں' کہ اس حدیث اور دوسری آیت کا تطابق لا تعلمهم نحن نعلمهم سے کیونکر کریں گے
بجز اس کے کہ یا اسے منسوخ تسلیم کر لیں' یا اس میں نفی صرف علم ذاتی کو مانیں' منقولات کے پیش کرتے وقت منکرین نے بعض
اوقات سیاق وسباق کلام کو خیال میں نہیں رکھا' جہاں نفی علم غیب کا امکان بھی نہ تھا' وہاں سینہ زوری سے اُسے ثابت کرنے
کی کوشش کی' یہ علیٰحدہ امر ہے' کہ ان کی اس کوشش سے خود انہیں کی جہالت وضلالت ثابت ہوتی چلی گئی' جیساکہ وما

علمناہ الشعر وما ینبغی لہ (آیت سورۂ یٰسین) میں جہاں اُس عہد کی مروجہ شاعری کی لغویت کا اظہار بہ مقابلہ قرآن مجید منظور ہے، معلوم نہیں، کہ منکرین نے علم شعر کو جو زید و بکر وغیرہ سے سیکھا جا سکتا ہے کیوں علوم غیب کی صف میں داخل کر لیا، منکرین نے بعض جگہ تعصب، وخیانت سے کام لیا، اور نقل حوالہ میں اصل عبارت کو اپنی جگہ پر قائم نہیں رہنے دیا جس سے مفہوم عبارت، ہی بدل گیا، مثلاً شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی سے ایک حدیث برہان قاطعہ میں اُس کے مصنف نے درج کی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ "مجھے دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں"۔ شیخ مذکور نے نقل حدیث کے بعد این سخن اصلے ندارد و درروایت بداں صحیح نشدہ است، لکھا ہے، لیکن ناقل اس کو صاف ہضم کر گیا، مولوی حسین علی واں بھچری نے رسالہ غیب دانی میں سورۂ جن کی آیت متعلقہ علم غیب کا ایک جزو فلا یظھر علےٰ غیبہ احداً تو لے لیا، تاکہ اپنا مزعومہ دعوےٰ ثابت ہو جائے، مگر دوسرا جزو الامن ارتضٰی من رسول، جس سے علم غیب کا اثبات ہوتا ہے چھوڑ دیا، تفسیر فتح العزیز کے مترجم نے آیت ویکون الرسول علیکم شھیداً کی تفسیر نقل کرنے میں جو وہابی مذہب کے خلاف تھی، خیانت کی، وغیرہ — عقلی طور پر بھی اہل سنت والجماعت کا ہی عقیدہ درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام کو خلافت الٰہی تفوق علم کے باعث ہی حاصل ہوئی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مقدس تو خلاصہ موجودات ہے، تمام موجودات کے کمالات اور علوم آپ کی ذات مقدس میں جمع ہیں، کیونکہ آپ کائنات میں خدائے تعالےٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں، یا نیابت الٰہیہ کا بہترین مجسمہ ہیں، اور نائب کے لئے ضروری ہے کہ مناسب کی مرضی اور منشاء کے مطابق نظام کو چلائے لہٰذا اس کے لئے ہر چیز کے متعلق مناب کی رضا کا علم لازمی ہے، پھر اختیار کا نمبر آتا ہے، جس کے ماتحت کوئی نظام قائم ہو سکتا ہے، پس ایسی صورت میں یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ آپ کا علم موجودات کے مجموعی علم سے زیادہ ہے، اور آپ کے علم سے خدا کا علم ہی زیادہ ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس بارے میں آپ کی برابری کا دعوٰی کر سکے، اور یہی بات آپ کی رفعتِ شان کے متقاضی ہے، ہمیں آپ کے کمالات کے سامنے سر عجز جھکا کر صدق دل سے اقرار کرنا چاہیئے، ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

منکرین کے لئے یہ چند سطور ہی اگر وہ انصاف سے کام لیں تو کافی ہیں، ورنہ تعصب کی پٹی آنکھوں پر بندھی ہونے کی صورت ایک دفتر بھی ناکافی ہے، اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ایسا ہے، جس کی موجودگی میں آیات قرآنی میں باہم مطابقت ہو سکتی ہے، منکرین کی باتوں کو مدنظر رکھیں، تو افتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض کے ماتحت کئی آیات اور سینکڑوں احادیث کا انکار لازم آتا ہے، خدا اس سے بچائے، واللہ یھدی الیٰ سبیل الرشاد

اخیر میں ہم وہ چیلنج درج کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتے ہیں، جو زبدۃ المحققین امام المناظرین اعلٰحضرت مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے علمائے اہل سنت کی طرف سے منکرین کو دیا، وھو ھذا۔

"ہاں ہاں تمام نجدیہ دہلوی گنگوہی جنگلی کو ہی سب کو دعوتِ عام ہے، اجمعو شرکاء کم چھوٹے بڑے سب اکٹھے ہو کر ایک آیت قطعی الدلالۃ یا ایک حدیث متواتر یقینی الافادہ چھانٹ لائیں، جس سے صاف صریح طور پر یہ ثابت ہو کہ تمامی نزول قرآن عظیم کے بعد اشیاء مذکورہ ماکان ومایکون سے فلاں امر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مخفی

رہا جس کا علم حضور کو دیا نہ گیا فان لم تفعلوا فاعلموا ان اللہ لا یھدی کید الخائنین منکرین کے پاس اگر اس کا معقول جواب ہو تو پیش کریں۔

قرآن مجید میں ہے۔ وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا (میرا پروردگار علم کے لحاظ سے ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے) نیز فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ (پس کہہ دو کہ تمہارا رب وسیع رحمت کا مالک ہے) یہاں خدا کی شان علیمی کو ہر چیز پر محیط کیا ہے، قرآن مجید خدا تعالیٰ کی رحمت کو بھی وسیع کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے، وَسِعَتْ رحمتی علی کل شیئٍ یعنی میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، جس طرح خدا کی صفت علم میں عمومیت پائی جاتی ہے، ہو بہو وسعت کے لحاظ سے ایسی ہی عمومیت صفتِ رحمت میں بھی ہے، جہاں صفتِ رحمت ہر چیز کو اپنے دامن میں لئے بیٹھی ہے، وہاں صفت علم بھی ہر چیز کو اپنی وسعت میں سمیٹے ہوئے ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی رحمت ہے کیا چیز اور اُس کا اس مسئلہ سے کیا تعلق ہے، اُس کا جواب یہ ہے کہ خدا کی رحمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس ہے، دیکھئے آیت وما ارسلناک الّا رحمۃً للعلمین پس جس طرح خدا کی رحمت ہر جگہ موجود ہے، اسی طرح آپ کی ذات بھی ہر جگہ موجود ہے، اور ہر چیز کو اپنے سایۂ عاطفت میں لئے ہوئے ہے اور اُس کے ساتھ ہی پہلو بہ پہلو خدا کی شان علیمی بھی اپنی بہار دکھا رہی ہے، موجودات میں خدا کی صفت علم اور صفتِ رحمت کی یہ جلوہ گری اپنی وسعت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہے، اس سے ہمیں یہ لازماً تسلیم کرنا پڑتا ہے، کہ جہاں آپ کی ذات موجود ہے، وہاں آپ کا علم بھی موجود ہے، اور یہ مسلم ہے، کہ آپ کی ذات مقدس بلحاظ مجسمہ رحمت ہونے کے ہر جگہ موجود ہے، (کیونکہ رحمتِ الٰہی کی وسعت کا تقاضا ہی یہی ہے کہ وہ ہر جگہ موجود ہو) اس لئے آپ کا علم بھی ہر جگہ موجود ہے، اور ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور اُس پر ہر وقت خدائی علم کی وسعت کا پرتو پڑ رہا ہے۔

اسے مختصر الفاظ میں ہم یوں ادا کر سکتے ہیں، کہ حق تبارک وتعالےٰ کی وسیع رحمت کا مظہر آپ کی ذات ہے اور ہر جگہ موجود ہے اور اُس کے وسیع ذاتی علم کا پرتو آپ کا عطائی علم غیب ہے، اس لئے یہ بھی ہر چیز کو اپنے دامن وسعت میں لئے ہوئے ہے، کیونکہ یہ دونو صفتیں عمومیت کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

نظر بریں صورت اہل سنت والجماعت کا عقیدہ درست اور صحیح ہے، اس میں شرک کی کوئی شق نہیں ہاں اس عقیدے کی مخالفت حضور علیہ السلام کی رفعت شان سے عدم آگاہی کا ثبوت ہے، جو گستاخی اور سوءِ ادب کی حدود سے گزار کر آدمی کو کفر کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

مسئلہ استمداد

کسی آدمی کا حضرات انبیائے کرام اور اولیائے عظام سے مدد مانگنا جائز ہے، دراں حالیکہ اُس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی مدد تو خدائے تعالےٰ کی طرف سے ہی ہے، یہ حضرات اُسی کے مظہر ہیں اور اُسی کے عطا کردہ قدرت سے کسی کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، یعنی قدرت امداد ان کی ذاتی نہیں بلکہ حق تبارک وتعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔

اس سلسلے میں ہم پہلے استمداد کے جواز میں دلائل پیش کرتے ہیں، پھر اس پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کے جوابات مع دلائل تحریر کریں گے، انشاء اللہ تعالےٰ۔

قولہٗ تعالےٰ۔ وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللّٰہ ان اللہ شدید العقاب (سورۂ مائدہ ربع اول) اور مدد کرو تم اوپر نیکی کے اور پرہیز گاری کے اور نہ مدد کرو تم گناہ اور ظلم پر، اور ڈرو تم اللہ سے، تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے ...... (موضح القرآن)۔

تعاونوا صیغہ امر ہے، باب تفاعل سے جو مشارکت کے لئے آتا ہے، یعنی آپس میں باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا، باقی رہا مدد طلب کرنا، واستعینوا بالصبر والصلوٰۃ سے ثابت ہے استعینوا صیغہ امر ہے، باب استفعال سے، جس کا خاصہ طلب کرنا ہے، یعنی مدد طلب کیا کرو، ساتھ صبر اور نماز کے، صبر اور نماز دونو بندے کے فعل ہیں، پس بوسیلہ مخلوق بارشاد باری تعالےٰ استعانت مامور بہا ہو گئی، کیونکہ بحکم ان اللہ خلقکم وما تعملون بندوں کے افعال بھی مخلوق ہیں —— یاجوج ماجوج کی آمد ورفت بند کرنے کے لئے حضرت سکندر ذوالقرنین سے عرض کی گئی، جس کے جواب میں آپ نے کہا، اعینونی بقوۃ یعنی تم میری بلحاظ قوت امداد کرو، پھر انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیان زمین کو پانی کی گہرائی تک کھودا، اور دیوار کی بنیاد رکھی جو پہاڑوں کی بلندی تک اوپر اُٹھائی گئی، جسے سد سکندری کہتے ہیں، اس سے مدد مانگنا اور مدد دینا دونوں باتیں ثابت ہو جاتی ہیں۔

اہل کتاب، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے پہلے جب مشرکین سے مغلوب ہوتے تو آپ کے وسیلہ سے مدد چاہتے، اس پر حق تعالےٰ انہیں مشرکین پر غلبہ عطا فرماتا، کما قال اللہ تعالی وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا الآیہ، اس کی تفسیر مظہری میں اس طرح وضاحت کی گئی ہے، وکانوا ای الیھود من قبل ای قبل البعثت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یستفتحون ینصرون علی الذین کفروا ای مشرکین العرب ویقولون اللھم انصرنا علیھم بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد صفتہ فی التورات، خازن، مدارک، سراج المنیر اور موضح القرآن کی عبارات کا مفہوم بھی یہی ہے، یعنی جب یہودی آپ کی بعثت سے پہلے کفار سے عاجز آجاتے، تو دعا مانگتے کہ اے پروردگار کہ ہمیں آخری زمانے کے پیغمبر کی طفیل ان پر فتح دے۔

اور تفسیر فتح العزیز جلد اول مطبوعہ محمدی لاہور کے صفحہ آٹھ میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں لیکن

دریںجا باید فہمید کہ استعانت از بوجہیکہ اعتماد بر آں غیر باشد و اورا مظہر عون الٰہی نداند حرام است، واگر التفات محض بجانب حق است، و اورا یکے از مظاہر عون دانستہ و نظر بکارخانہ اسباب و حکمت او تعالیٰ درآں نمودہ بہ غیر استعانت ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد بود، و در شرع نیز جائز و رواست و انبیا و اولیا ایں نوع استعانت بہ غیر کردہ اند، و در حقیقت ایں نوع استعانت بہ غیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لاغیر" یعنی یہاں سمجھنا چاہیئے، کہ غیر خدا سے اس پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اسے مظہر امداد الٰہی نہ جانتے ہوئے مدد مانگنا حرام ہے، لیکن اگر بباطن حق تعالیٰ کی طرف توجہ ہو، تو اُن سے مظہر ذات الٰہی جانتے ہوئے اور اسباب و حکمت الٰہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر غیر خدا سے ظاہری امداد طلب کی جائے تو یہ بعید از عرفان الٰہی نہیں، یہ امر شریعت میں بھی جائز اور روا ہے، اس قسم کی استعانت انبیا و اولیا علیہم السلام نے بھی غیر سے کی ہے، در اصل اس قسم کی مدد طلب کرنا استعانت بہ غیر نہیں، بلکہ استعانت بحق تعالےٰ ہے، مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے منصب امامت مترجم، مطبوعہ فاروقی دہلی میں لکھا ہے :-

"و ازاں جملہ مامور شدن عبادت است بہ تفحص ایشاں و طلب معرفت ایشاں، قال اللہ تعالیٰ وابتغوا الیہ الوسیلۃ و مراد از وسیلہ شخصے است، کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت، کما قال اللہ تعالیٰ اولٰئک الذین یدعون یبتغون الیٰ ربہم الوسیلۃ ایہم اقرب، و اقرب الی اللہ باعتبار منزلت اول رسول است بعد ازاں امام کہ نائب اوست" مفہوم اس کا یہ ہے کہ بزرگان دین کے حال ڈھونڈنے اور ان کی معرفت طلب کرنے میں بندوں کو امر الٰہی ہوا جیسے فرمایا خدا تعالےٰ نے، اے ایمان والو! ڈرو اللہ تعالےٰ سے اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو، اور وسیلہ سے مراد وہ شخص ہے جو حق تبارک و تعالیٰ کی جناب میں باعتبار عزت و مرتبہ بہت قریب ہو، جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا، کہ یہی لوگ ہیں کہ پکارتے ہیں، تلاش کرتے ہیں، اپنے پروردگار کے پاس سب سے کون زیادہ ان کے قریب ہے، اللہ تعالیٰ بہت نزدیک بہ لحاظ عزت و منزلت پہلے رسول ہے، پھر امام جو نائب رسول ہے :-

اور تفسیر محمدی مطبوعہ گلزار محمدی لاہور میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں حافظ محمد لکھوی نے بھی بحوالہ فتح الرحمان شاہ ولی اللہ صاحب، یہ لکھا ہے، "بودند پیش ازاں طلب فتح میکردند بر کافراں یعنی بحرمت قرآن و محمد فتح بر کافراں میخواستند" اس کا ترجمہ پنجابی میں لکھا ہے، جس کا مفہوم یہ ہے، کہ یہودی شہر کفار سے ڈر کر اس سے پیشتر طلب فتح کیا کرتے تھے، کہ اے خدا ہمیں اُس نبی کی طفیل جس کی صفت تورات میں پڑھی جاتی ہے، فتح عطا فرما، پھر اُنہیں فتح ملتی تھی، یہ معالم میں بھی لکھا ہے، مثنوی شریف میں لکھا ہے :-

بود در انجیل نام مصطفیٰؐ — آں سر پیغمبراں بحر صفا
طائفہ نصرانیاں بہر ثواب — چوں رسیدندی بداں نام و خطاب
بوسہ دادندے براں نام شریف — رو نہادندے براں وصف لطیف
اندریں قصہ کہ گفتیم آں گروہ — ایمن از فتنہ بدند و از شکوہ
ایمن از شر امیران و وزیر — در پناہ نام احمدؐ مستجیر

نسل ایشاں نیز ہم بسیار شد — نور احمد ناصر آمد یار شد
نام احمد ایں چنیں یاری کند — تاکہ نورش چوں نگہداری کند
نام احمد چوں حصارے شد حصیں — تا چہ باشد ذات آں روح الامین

ترجمہ - انجیل میں سید الانبیاء بحر صفا حضرت مصطفےٰ کا نام درج تھا، نصرانیوں کا ایک گروہ جب انجیل پڑھتے پڑھتے آپ کے نام اور خطاب تک پہنچتا، تو حصولِ ثواب کی غرض سے اُس نام شریف پر بوسہ دیتا، اور مرقومہ اوصاف کو صدق یقین سے تسلیم کرتا اور اُس پر اپنی پیشانی رکھتا، اس کی برکت سے وہ گروہ فتنہ وفساد سے محفوظ تھا اور جناب احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک کی پناہ میں امیر وزیر کے شر سے بے فکر تھا، نور احمدی کی نصرت اور یاوری سے ان لوگوں کی نسل نے بہت ترقی کی جب آپ کا نام پاک اس طرح یاری کرتا ہے تو اُس کے نورِ مبارک کے کیا کہنے، جب آپ کا نام پاک امن وحفاظت کا مضبوط قلعہ ہے تو اس ذات مقدس کی رفعت وعظمت کیا ہوگی۔

قولہ تعالےٰ یا ایہا الذین آمنو کونوا انصار اللہ کما قال عیسی ابن مریم للحوارین من انصاری الی اللہ قال الحواریون نحن انصار اللہ (سورۂ صف) مسلمانو! (مراد انصار ہیں کہ بیچ عقبہ ثانیہ کے بیعت کی تھی اور کہتے وہ ستر آدمی تھے، یا سب مسلمانوں کو خطاب ہے) ہو تم یاری کرنے والے دین اللہ کے کو اور پیغمبر اس کے کو، یعنی اے محمد نصرت طلب کر و قوم اپنی سے جیسے نصرت طلب کی عیسٰے بیٹے مریم کے نے خاص حواریوں کو کہ کون ہیں یار اور یاری کرنے والے میری طرف نصرت اللہ کی یا کون ہیں مدد کرنے والے میری بیچ دعوت کرنے خلق کے طرف نصرت اللہ کی، کہا حواریوں نے کہ اس راہ میں ہم ہیں مدد کرنے والے دین اللہ کے کی (موضح القرآن)۔

آیت مذکورہ میں حق تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت وشان کے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کے مددگار بنو، یعنی حضور کی مدد کرنے کو اپنی مدد کہا اور من انصاری عیسٰے علیہ السلام کی طرح نہ کہا، یہاں مدد کرنا اور مدد مانگنا دونو منصوص ہیں۔

خدا تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کے لئے جملہ انبیائے کرام سے عالم ارواح میں عہد لیا کہ جب حبیب خدا خیر الوریٰ صلعم دنیا میں تشریف لائیں، تو بالضرور آپ کی امداد کریں، کما قولہ تعالےٰ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ سے لیکر الفسقون تک، دیکھو یہاں قرآن مجید میں صریحاً امداد کرنے اور کرانے کا ارشاد ہو رہا ہے، اور اس سے انکار قرآن سے انکار ہے، پارہ اول ربع سوم میں ہے، وایدناہ بروح القدس یعنی ہم نے اُنہیں روح القدس سے مدد کی، حضرت موسٰے علیہ السلام نے درگاہِ باری تعالیٰ میں عرض کی، واجعل لی وزیرا من اہلی ھارون اخی اشدد بہ ازری واشرکہ فی امری یعنی بنا اور مقرر کر میرے واسطے یار اور مددگار میرے کنبے میں سے میرے بھائی ہارون کو، اور اُس سے مضبوط کر پیٹھ میری اور اُسے میرا رفیق بنا پیغمبری میں، اگر مدد مانگنا یا مدد کرنا شرک ہوتا، تو حضور علیہ السلام کی مدد کرنے میں جملہ انبیائے کرام سے مدد کا عہد کیوں لیا جاتا، اور موسٰے علیہ السلام خدا سے التجا کیوں کرتے کہ میرے بھائی کو میرا مددگار بنا

قولہ تعالےٰ ' ھوالذی ایدک بنصرہٖ وبالمومنین والف بین قلوبھم الآیہ یعنی اللہ وہ ذات ہے جس نے تجھ کو قوت دی ساتھ یاری اپنی کے اور قوت دی ساتھ مومنوں کے اور الفت ڈالی درمیان دلوں ان کے کے ' اس طرح قرآن مجید کی متعدد آیات سے دوسرے سے مدد مانگنا اور کسی کو مدد دینا ثابت ہے ۔

تفسیر بیضاوی میں تحت آیہ فالمدبرات امرا (سورۂ نازعات) لکھا ہے ' اوصاف النفوس الفاضلۃ حال المفارقۃ فانھا تنزع عن الابدان غرقا ای نزعا شدیدا من اغراق النازع فی القوس فبسط الی عالم الملکوت وتسبح فیہ فتسبق الی خطائر القدس فتصیر وابشرفھا وقوتھا من المدبرات ' ان آیات کریمہ میں اللہ عزوجل ارواح اولیاء کرام کا ذکر فرماتا ہے ' جب وہ اپنے مبارک بدنوں سے جدا ہوتی ہیں ' جسم سے جدا ہو کر وہ عالم بالا کی طرف سبک خرامی اور دریائے ملکوت میں شناوری کرتی ہوئی خطرہائے حضرت قدس تک جلد رسائی پاتی ہیں ' پس اپنی بزرگی وطاقت کے باعث کاروبار عالم کے تدبیر کرنے والوں میں سے ہو جاتی ہیں ' اس کی تائید مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی نے اپنی کتاب منصب امامت میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ' کہ اولیاء اللہ ملائکہ مدبرات الامر کی طرح حل المشکلات اور حاجت روائی کرتے ہیں ۔

پارہ ۳۰ ربع سوم میں باری تعالےٰ کا ارشاد ہے ' والقمر اذا انشق ۔ اس کے ضمن حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ دہلوی فرماتے ہیں " و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ آلۂ خارج تکمیل وارشاد بنی نوع خود گردانیدہ اندریں حالت ہم تصرف در دنیا دادہ واستغراق آنہا بجہت کمال وسعت تدارک آنہا مانع توجہ بایں سمت نمی گردد واویسیاں تحصیل کمالات باطنی ازانہا می نمائیند وارباب حاجات ومطالب حل مشکلات خود ازانہا می طلبند ومی یابند و زبان حال دراں وقت ہم مترنم بایں مقالات است ۔ ع

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

یعنی بعض خاص اولیاء اللہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنے بندوں کی ہدایت وارشاد کے لئے پیدا کیا ہے ' ان کو اس حالت میں بھی اس عالم کے تصرف کا حکم ہوا ہے ' اور اس طرف متوجہ ہونے سے ان کا استغراق بوجہ کمال وسعت تدارک انہیں روکتا نہیں ' اور اویسی طریقہ کے لوگ باطنی کمالات انہی سے حاصل کرتے ہیں ' حاجتمند اور اہل غرض لوگ اپنی مشکلات کا حل انہی سے چاہتے ہیں ' اور جو چاہتے ہیں وہ پاتے بھی ہیں ' اور زبان حال سے یہ گیت گاتے ہیں ع

من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن !

دف ۔ پورا شعر اس طرح ہے ۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن من آیم بجاں گر تو آئی بہ تن

یعنی مجھے اپنی مانند زندہ سمجھو ' اگر تم میری طرف بدن سے آؤ گے تو میں تمہاری طرف جان سے آؤں گا ' تم بظاہر میری طرف متوجہ ہوں گے تو میں ہمہ تن بہ باطن تمہاری طرف ملتفت ہوں گا ۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں " اما لسنت قادریہ ونقشبندیہ پس بیانش آنکہ بسبب کت

بیعت و بین توجہات آنجناب ہدایت مآب روح مقدس جناب حضرت غوث الثقلین و جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند متوجہ حال حضرت ایشاں گردیدہ و تا قریب یک ماہ فی الجملہ تنازع در مابین روحین مقدسین در حق حضرت ایشاں ماندہ زیراکہ ہر واحد ازیں ہر دو امام تقاضائے جذب بحضرت ایشاں بتمامہ بسوئے خود میفرمود تا اینکہ بعد انقراض زمانہ تنازع و وقوع مصالحت بر شرکت روزے ہر دو روح مقدس بر حضرت ایشاں جلوہ گر شدند و تا قریب یک پاس ہر دو امام بر نفس نفیس حضرت ایشاں گردد و اما نسبت چشتیہ پس بیانش آنکہ روزے حضرت ایشاں بسوئے مرقد منور حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس سرہٗ العزیز تشریف فرماشدند و بر مرقد مبارک ایشاں مراقب نشستند و دریں بروح پر فتوح ایشاں ملاقات متحقق شد و آنجناب بر حضرت ایشاں توجہ بس قوی فرمودند کہ بسبب آں توجہ ابتداء حصول نسبت چشتیہ متحقق شد"۔

عبارت مذکورہ سے یہ باتیں ثابت ہوئیں :۔

(۱) دو نو بزرگوں کا بعد وفات بھی دور سے معلوم کر لینا کہ فلاں جگہ جا کر فلاں آدمی کو فیوضات قادری اور نقش بندی عطا کرنے ہیں :۔

(۲) پھر دونوں صاحبوں کا بغداد شریف اور بخارا سے بہ یک وقت وہاں پہنچ جانا جس سے معلوم ہوا کہ دونو کو ایک دوسرے کی روانگی اور رسیدگی کے وقت کا علم تھا :۔

(۳) اس قدر تصرف کہ ایک ہی پہر میں قادری اور نقشبندی طریق کے مطابق باکمال بنا دیا جس سے اولیاء اللہ کا حاجت روا اور مشکل کشا (بحکم جل وعلا) ہونا ثابت ہوا :۔

(۴) حصول کمالات باطنی کے لئے مزارات اولیاء اللہ پر جانا اور صاحب مزار کا فیوض باطنی سے مالا مال کرنا۔

(۵) عطائے فیض میں اولیاء اللہ کا تصرف وغیرہ وغیرہ :۔

امام غیر مقلدین نواب صدیق الحسن خاں بھوپالوی رسالہ نفخ الطیب میں قاضی شوکانی سے یوں مدد مانگتا ہے

زمرۂ ربی درافتادہ بر ارباب سنن   شیخ سنت مددے قاضی شوکاں مددے

تفسیر کبیر میں سورۃ انعام کی آیت وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے تحت میں لکھا ہے :۔

وثالثھم الانبیاء وھم الذین اعطاھم اللہ تعالٰی من العلوم والمعارف ما لاجلہ یقدرون علی التصرف فی بواطن الخلق وارواحھم نیز اعطاھم من القدرۃ والمکنۃ ما لاجلہ یقدرون علی التصرف فی ظواھر الخلق یعنی سوم ان میں سے انبیاء (علیہم السلام) ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالٰی نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور روحوں پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نیز اللہ تعالٰی نے انہیں اس قدر قدرت اور طاقت دی ہے جس سے مخلوق کے ظواہر پر بھی تصرف کر سکتے ہیں :۔

مشکوٰۃ شریف میں ربیعہ بن کعب اسلمی سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا سَلْ فقلت اسئلک مرافقتک فی الجنۃ قال اوغیر ذلک قلت ھو ذاک قال فاعنی علی نفسک بکثرۃ السجود

یعنی کچھ مانگو، بس میں نے کہا کہ میں جنت میں آپ کی ہمراہی طلب کرتا ہوں، آپ نے فرمایا کچھ اور بھی مانگتا ہے، میں نے کہا، بس یہی، آپ نے فرمایا کہ زیادہ نوافل سے میری مدد کر۔

اشعۃ اللمعات میں اس حدیث کے ماتحت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ "واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرد بمطلوب خاص معلوم می شود کہ کارہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد ہرکرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد" مانگ لو کے سوال کو مطلق چھوڑنے اور کسی خاص مطلوب کی تخصیص نہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ تمام کام آپ ہی کے کریمانہ دست ہمت میں ہیں، آپ جو کچھ جس کو چاہیں اپنے پروردگار کی اجازت سے دے دیں۔

حصین حصین میں ہے، "وان اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی" یعنی جب مدد لینی ہو تو کہے کہ اے خدا کے بندو میری مدد کرو، اے خدا کے بندو میری مدد کرو، اے خدا کے بندو میری مدد کرو۔

شیخ عبدالحق صاحب اشعۃ اللمعات میں بحوالہ امام غزالی رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں "ہر کہ استمداد کردہ شود بہ وے در حیات استمداد کردہ می شود بوے بعد از وفات ویکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہا ایشاں در حیات خود یا بیشتر، قومے می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن مے گوئم کہ امداد میت قوی تر، واولیاء را در اکوان تصرف حاصل ہست، وآں نیست مگر ارواح ایشاں را وارواح باقی است"، یعنی جس سے زندگی میں امداد طلب کی جاسکتی ہے، اُس سے بعد وفات بھی طلب کی جاسکتی ہے، مشائخ میں سے ایک بزرگ فرماتے ہیں، کہ میں نے مشائخ میں سے چار آدمیوں کو دیکھا کہ وہ اپنی قبروں میں (بعد وفات) اس طرح تصرف کر رہے ہیں جس طرح زندگی میں کرتے تھے، یا اُس سے بھی زیادہ، ایک گروہ کا خیال ہے، کہ زندہ کی امداد بہت زیادہ ہے، لیکن میرا یہ خیال ہے، کہ مردہ کی امداد بہ نسبت زندہ کے زیادہ قوی[1] ہے، اور اولیاء کو اکوان عالم میں تصرف حاصل ہے، اور یہ تصرف ان کی روحوں کو حاصل ہے اور وہ باقی ہیں، (جسم کے ساتھ اُن کو موت نہیں آتی)۔

---

[1] امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے، کیونکہ تصرف ارواح کو حاصل ہوتا ہے، جو ارواح قید عناصر میں ہونے کی صورت میں بھی تصرف حاصل کر لیتی ہیں، کوئی وجہ نہیں، قید عناصر سے رہا ہونے پر ان کے تصرف میں اضافہ نہ ہو جائے، جیسے کوئی آدمی ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی حالت میں ایک کام کر لیتا ہے، تو کیا ہاتھ پاؤں کھلنے پر وہ اس سے مشکل کام کو بھی بااحسن وجہ نہ کرلے گا، ضرور کرے گا، یہی حال ارواح کا ہے، کہ قید عناصر سے آزاد ہو کر زیادہ طاقت حاصل کر لیتی ہیں۔

مسئلہ تصرف و قدرت و ہمت

انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام و اولیاء عظام بہ عطائے الٰہی

اس مسئلہ کی تہ میں بھی حقیقت و مجاز کا فرق کارفرما ہے، ملاحظہ ہو، قولہ تعالیٰ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗۤ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ط یعنی زراعت کرنے والے تم ہو یا ہم ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ فاعل حقیقی وہی ذات باری تعالیٰ ہے، اور ہماری طرف افعال کی نسبتیں مجازی ہیں جس طرح ہم کہتے ہیں کہ اس زمین کا مالک میں ہوں، اور یہ گھر میرا ہے، یہ ملکیت ہماری محض مجازی اور اعتباری ہے، اگر ہم اس مجاز کو اُڑا دیں، اور میرا گھر کی بجائے خدا کا گھر کہیں تو لازم آئیگا کہ میرا بیٹا یا اس کا بیٹا کہنے کی بجائے خدا کا بیٹا اور میری بیوی کہنے کی بجائے خدا کی بیوی کہیں، یہ کسی طرح بھی جائز نہیں :-

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ، یہ آیت حقیقت پر محمول ہے، اور آیات اثبات حکم لغیر اللہ مجاز پر محمول ہیں جس طرح اس آیت میں اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا یعنی ہم نے داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم اور علم دیا یہاں حکم کی نسبت داؤد علیہ السلام سے حقیقی نہیں مجازی ہے :-

اب ہم آیات قرآنی سے ثابت کریں گے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انبیاء کرام و اولیائے عظام کو بھی دوسروں کی امداد کرنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، اور وہ مدد مانگنے والوں کی باذن اللہ تعالیٰ مدد کرتے ہیں :-

آیت نمبر ۱ - وَانْصُرْنَا فَاِنَّكَ خَیْرُ النّٰصِرِیْنَ ترجمہ (اور ہماری مدد کر اس لئے کہ تو بہتر مدد گاروں کا ہے) :-

آیت نمبر ۲ - وَافْتَحْ لَنَا فَاِنَّكَ خَیْرُ الْفَاتِحِیْنَ ترجمہ (ہمیں فتح دے کہ تو بہتر فاتحین ہے) :-

آیت نمبر ۳ - وَاغْفِرْ لَنَا فَاِنَّكَ خَیْرُ الْغَافِرِیْنَ ترجمہ (ہمیں معاف کر کہ تو معاف کرنے والوں کا بہتر ہے) :-

آیت نمبر ۴ - وَارْزُقْنَا فَاِنَّكَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ترجمہ (ہمیں رزق دے تو رزق دینے والوں میں سے بہتر رزق دینے والا)

آیت نمبر ۵ - وَاحْفَظْنَا فَاِنَّكَ خَیْرُ الْحَافِظِیْنَ ترجمہ (ہماری حفاظت کر کہ تو حفاظت کرنیوالوں میں سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے) — آیات مذکورہ میں خدا تعالیٰ کے علاوہ بزرگان دین کا دوسروں کی مدد کرنا، انہیں فتح دینا، بخشش کرنا، رزق دینا اور حفاظت کرنا ثابت ہے، مگر مذکورہ اوصاف کا موصوف حقیقی خدا تعالیٰ ہے، اور دوسروں کے لئے یہ اوصاف بعطائے الٰہی ثابت ہیں جو مجازی ہیں :-

آیت نمبر ۶ - اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ - ترجمہ، کیا دیکھتے نہیں کہ میں پورا وزن دیتا ہوں اور اچھا مہمان نواز ہوں، یہاں اگر لفظ خیر میں حقیقت و مجاز کے فرق کو ملحوظ نہ رکھا جائے، تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام صفت خیریت میں خدا تعالےٰ سے برابری کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، حالانکہ امر واقع اس کے خلاف ہے، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو میرے لئے اپنی زبان اور شرمگاہ کا ضامن ہو جائے، میں اس کے لئے جنت کا ضامن

ہوں، یہاں آپ کا ضامن ہونا بعطائے قدرتِ الٰہی ہے، اگر اس سے بھی انکار کیا جائے جیسا کہ اکثر علماء وہابیہ و دیوبندیہ کی کتب میں مذکور ہے، تو اس پر کفر لازم آتا ہے۔

آیت ۷ - وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ترجمہ (اور جب کہ تو مٹی سے مثل صورت پرند کے بناتا تھا میری اجازت سے، پس اس میں تو پھونکتا تو وہ میرے حکم سے پرند ہو جاتا (ایسے ہی) مادر زاد اندھے اور برص والے کو میرے حکم سے تو اچھا کرتا تھا، اور میرے حکم سے مُردوں کو زندہ نکالتا تھا) آیت مذکورہ میں چار باتیں مذکور ہوئی ہیں (۱) جانوروں کا پیدا کرنا (۲) نابیناؤں کو بینا کرنا (۳) اور کوڑھی کو اچھا کرنا (۴) اور مُردوں کو زندہ کرنا، یہ سب صفتیں حق تبارک و تعالیٰ کی ہیں جن سے حضرت عیسیٰؑ بھی متصف تھے۔

اسی مضمون کی آیت سورۂ آلِ عمران میں ہے، اِنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ج اَنِّیْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ج وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ - ان دونوں آیتوں سے انبیاء و اولیاء کے تصرف و قدرت کے منکروں کی خود بخود بیخ کنی ہو جاتی ہے، صاف ظاہر ہے کہ رُوح پھونکنا مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کرنا، مُردوں کو زندہ کرنا اور آیت میں دیگر بیان کردہ باتوں کو جاننا صرف خدا ہی کی صفتیں ہیں، لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے وقوع کو اپنی طرف منسوب فرما رہے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ کام باذن و عطائے الٰہی وقوع پذیر ہوئے، اور حضرت کی طرف اُن کاموں کی نسبت محض مجازی ہے، حقیقی بالکل نہیں، لیکن جو اصحاب باذن و عطائے الٰہی بھی تصرف و قدرت کو غیر اللہ کے لئے نہیں مانتے، اُن کے حق میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے، کہ وہ کتاب مجید کے بعض حصوں پر تو ایمان لاتے ہیں، اور بعض سے انکار کرتے ہیں اور دوسروں کی نکتہ چینی کرتے ہوئے خود جرم و عصیاں کے تاریک گڑھوں میں جا پڑتے ہیں، اگر تصرف و قدرت مجازی طور پر بھی ماسوائے اللہ کے لئے درست نہ ہوتا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن لوگوں کو جو حاجت براری اور مشکل کشائی کے واسطے دُور دراز کی مسافت طے کر کے اُن کے پاس آتے تھے، ضرور یہ فرما دیتے کہ حاضر ناظر خدا کو چھوڑ کر میرے پاس کیوں آئے، گھر میں بیٹھ کر ہی اپنا کام کرا لیا ہوتا، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، انبیاء علیہم السلام شرک و کفر کو مٹانے کے لئے آتے ہیں، نہ کہ پھیلانے کے لئے، اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بزرگانِ دین کو تصرف و قدرت وہمت بعطائے الٰہی حاصل ہے، اور اُن کے پاس حاجات روائی کے لئے جانا جائز ہے، اس کا انکار قرآن مجید کا انکار ہے

آیت ۸ - وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ط پارہ ۱۰ آخر ربع سوم، ترجمہ (اور اگر تحقیق منافق راضی ہوتے اس چیز سے کہ دی ہے اُن کو اللہ تعالےٰ نے اور اس کے رسول نے اور کہتے کہ کافی ہے ہم کو اللہ اور قریب ہے کہ اللہ دیگا ہم کو اپنے فضل سے اور دیگا پیغمبر اُس کا تحقیق ہم طرف اللہ کی رغبت کرنے والے ہیں)۔

آیت ۹ - وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ترجمہ - اور نہیں دشمنی کی منافقوں نے سے پیغمبر

مگر اس واسطے کہ دولت مند کر دیا اُن کو اللہ نے اور پیغمبر اُس کے نے اپنے فضل و کرم سے۔
ان دونو آیتوں میں حق تبارک و تعالےٰ کا اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دوسروں کو غنی کر نا مراد دینا اور کافی ہونا مذکور ہے، یہ تصرف اور قدرت کی انتہا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے قرآن پاک سے ثابت ہوتی ہے، بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں، یہ ظاہر ہے، کہ مالک وہی ہوتا ہے، جس کے پاس کنجی ہو، اسلئے آپ زمین کے خزانوں کے مالک ٹھہرے، مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپ نے ربیعہ انصاری کو فرمایا تھا، کہ مجھ سے جو کچھ مانگنا ہے مانگو، (کَمَا ذُکِرَ فِیْ مَسْئَلَۃِ عِلْمِ غَیْب)
آیت ۱۰ قَالَ یٰاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَیُّكُمْ یَاْتِیْنِیْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ یَّاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ۝ قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَ اِنِّیْ عَلَیْهِ لَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْۤ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ؕ وَ مَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیْ غَنِیٌّ كَرِیْمٌ ۝۔
ترجمہ - کہا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہ اے سردار، وہ کون ہے تم میں سے ایسا جو لائے میرے پاس بلقیس کا تخت، پہلے اُس سے کہ آوے میرے پاس بلقیس حکم بردار ہو کر الخ یعنی اُس کے آنے سے پہلے میرے پاس تخت آنا چاہیئے، تاکہ اُس کی صورت بدل ڈالیں، پھر بلقیس کی عقل کا امتحان لیں کہ وہ اُس تخت کو پہچانتی ہے یا نہیں! جواب میں ایک زبردست دیو نے کہا، کہ میں اُس تخت کو آپ کے پاس آپ کے اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے لے آؤں گا، حضرت سلیمانؑ نے فرمایا، کہ میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں، تو اس کے جواب میں حضرت آصف برخیا کہنے لگے، کہ میں آنکھ جھپکنے سے پہلے وہ تخت لاؤں گا، آپ کے پاس علم کتاب تھا، یا آپ کو اسم اعظم یاد تھا، اس بنا پر آپ نے تخت کو طرفۃ العین میں لانے کا دعوی کیا، اور اُسے سچ کر دکھایا، حضرت سلیمانؑ نے وہ تخت اپنی آنکھوں کے سامنے پڑا دیکھا تو یہ کہا کہ یہ خوبی میرے رب کے فضل سے ہے، الخ. اس آیت سے حضرت آصف برخیا کی قدرت و تصرف کا پتہ چلتا ہے، جو بنی اسرائیل میں سے ایک ولی تھے، جب ایک ولی کا یہ حال ہے، تو ایک جلیل القدر نبیؐ کا کیا مرتبہ ہوگا، فافھم، تقریر بالا پر قیاس کرتے ہوئے اگر یہ تسلیم کر لیا جائے، کہ حضرت سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غرق شدہ کشتی نکال دی، تو کیا تعجب ہے۔
آیت ۱۱ - قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۝ ترجمہ (میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں، یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام سے خطاب ہے حضرت جبرائیل خدا تعالےٰ کی طرف سے بنا بنایا بیٹا لے کر نہیں آئے تھے، بلکہ انہوں نے آستین میں پھونک لگائی تو حضرت مریم علیہا السلام حاملہ ہو گئیں اور حضرت عیسےٰؑ مقررہ میعاد کے بعد پیدا ہوئے، کیا یہ تصرف نہیں۔
آیت ۱۲ - اِنَّمَا وَلِیُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ ترجمہ، تمہارا دوست و مددگار نہیں ہے مگر اللہ تعالےٰ اور پیغمبر اُس کا، اور جو کوئی

ایمان لائے ہیں جو کہ قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ رکوع کرنے والے ہیں) اس طرح کی اور بھی کئی آئتیں ہیں جن سے انبیاء اور اولیاء کا دوسروں کے لئے دوست اور مددگار ہونا ثابت ہوتا ہے۔

فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا کے تحت میں تفسیر بیضاوی میں مذکور ہے کہ نفوس زکیہ یعنی اولیاء اللہ ملائکہ ملاء الاعلیٰ کی طرح سارے جہان میں لوگوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے ہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنی کتاب منصب امامت میں لکھا ہے۔

"بعضے ازیں بزرگواراں بنابر اصلاح مطلق بنی آدم مامور اند، اختصاص بہ قومے از اقوام یا بہ بلدے از بلدان نمی دارند مثل خضر علیہ السلام و ابدال و اوتاد و افراد و بعضے دیگر بہ قوم خاص یا بہ بلد خاص یا بہ عسکر خاص اختصاص میدارند نجبا و رقبا و ایشاں را از اہل خدمات مے گویند پس قوم اول نائبان ملاء الاعلیٰ اند و قوم ثانی نائبان مدبرات الامر و چنانکہ گاہے درباب ادعیہ عالیہ و متعالیہ مقربین اختلاف واقع مے شود کہ یکے عروج قومے میخواہد و دیگرے عروج قومے دیگر و یکے چیزے را ترجیح میدہد و دیگر چیزے دیگر را و ایشاں را اختصام ملاء الاعلیٰ میگویند قال اللہ تبارک و تعالیٰ حکایتہ عن رسولہ وما کان لی من علم بالملاء الاعلیٰ اذ یختصمون و بازحق جل جلالہ بحکمت بالغۂ خود امر مناسب را کہ مصلحت باشد اجراء نماید" ترجمہ۔ (پس جس طور پر کہ اللہ کے فرشتے دو قسم کے ہیں، ملاء اعلیٰ و مدبرات امر، ملاء اعلیٰ کا یہ حال ہے کہ اُن کی شان اطلاقی ہے، یعنی کسی قوم خاص یا شہر خاص کی اصلاح میں خصوصیت نہیں رکھتے بلکہ اُن کی نظر تمام عالم کی اصلاح اور تمام بنی آدم کی خدمت کی طرف متوجہ ہے، اور مدبرات امر کی یہ شان ہے، کہ اُن میں سے ہر ایک کسی معین اور مخصوص کارخانہ پر متوکل اور متعین ہے اور اُن کی ہمت اُسی مخصوص کاروبار کی اصلاح میں مصروف ہے، کوئی کارخانۂ امر پر متوکل ہے تو کوئی ارحام میں صورت گری پر معین ہے کوئی بنی آدم کی حفاظت پر متعین ہے، علیٰ ہذا القیاس اللہ تعالےٰ نے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ کاموں پر متوکل کر رکھا ہے اسی طرح بزرگان دین میں سے بعض بنی آدم کے حال مطلق کی اصلاح کے واسطے مامور ہیں، کسی شہر یا قوم کے ساتھ خصوصیت نہیں رکھتے، مثل خضر علیہ السلام و ابدال و اوتاد و افراد اور بعض کسی قوم خاص، شہر خاص یا لشکر خاص کے ساتھ اختصاص رکھتے ہیں، مثلاً اقطاب و نجبا و اقبا اور ان کو اہل خدمت کہتے ہیں، پس قوم اول نائبان ملاء اعلیٰ ہیں اور قوم ثانی مدبرات امر ہیں، جس طرح کبھی ملائکہ مقربین کی دعائے عالیہ و متعالیہ کے بارہ میں اختلاف واقع ہوتا ہے کہ ایک فرشتہ ایک قوم کا عروج چاہتا ہے اور دوسرا دوسری قوم کی ترقی کا طالب ہے، اور ایک ایک چیز کو ترجیح دیتا ہے اور دوسرا دوسری چیز کا غلبہ چاہتا ہے، اس کو اختصام ملاء اعلیٰ کہتے ہیں، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکائیۃً اپنے رسول کی طرف سے فرمایا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے، کہ مجھ کو معلوم نہیں، جب ملاء اعلیٰ جھگڑتے تھے" اور پھر حق جل و علیٰ اپنی حکمت بالغہ سے کسی امر کو جو مناسب مصلحت ہوتا ہے، جاری کرتا ہے۔

عبارت مذکورہ سے چند امور ثابت ہوئے، اول تمام جہان پر نظر کرنا دوسرا تمام جہان کی اصلاح، تیسرا تمام بنی آدم کی خدمت کرنا یعنی اُن کی حاجات روائی کرنا، اور چہارم بادل برسانا اور رحموں میں شکلیں بنانا وغیرہ ذالک۔

یہ سب صفتیں خاصۂ باری تعالیٰ ہیں، کما قولہ تعالیٰ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَاءُ پس مافی الارحام کا علم اُن کو دیا
جو خدا تعالیٰ کے پانچ علموں میں سے ہے، کیونکہ رحم میں جب مولود کے جسم میں جان پڑتی ہے، تو فرشتہ اُسی وقت اُس کی عمر
رزق سعادت اور شقاوت کے متعلق سب کچھ لکھ لیتا ہے، اور تمام جہان میں نظر اور اسکی اصلاح کرنا کس قدر علوّ ہمت
اور تصرف ہے، اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر فتح العزیز میں اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ
خَلَقَ ، کے شانِ نزول میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کی توجہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ایک روز آپ کے
مکان پر کئی مہمان آگئے اور اُس روز آپ کے ہاں کوئی چیز کھانے پینے کی قسم سے موجود نہ تھی، لہٰذا اُنہیں بہت تشویش ہوئی،
اور اُس کے متعلق تردد کرنے لگے، ایک نانبائی کی دُکان آپ کے مکان سے متصل تھی، وہ اس بات کی خبر پاکر روٹیوں کا
بھرا ہُوا ایک خوان مکلف اور مرغن نان خورش کے ساتھ آپ کے سامنے لایا، آپ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور فرمایا،
کہ مانگ کیا مانگتا ہے، اُس نے عرض کی، کہ مجھ کو اپنی مانند کر دیجئے، آپ نے فرمایا، کہ تو اُس حالت کا متحمل نہیں ہو سکے گا،
کوئی اور چیز مانگ لے، مگر وہ اپنی دُھن کا پکا پہلے مطالبے پر ہی اڑا رہا، اور خواجہ صاحب انکار کرتے رہے، آخر کار
آپ اُس کے اصرار اور عاجزی سے مجبور ہو کر اُسے اپنے حجرے میں لے گئے اور نگاہِ تاثیر اتحادی اُس پر کی، جب
حجرے سے باہر نکلے، تو خواجہ صاحب اور نانبائی کی صورت میں سرِمُو فرق نہ رہا تھا، اور اُن کی آپس میں پہچان مشکل
تھی، فرق صرف یہ تھا، کہ خواجہ صاحب ہوشیار تھے اور نانبائی بے ہوش، القصہ اُس نانبائی نے تین روز
کے بعد اُسی سکر اور بے ہوشی کی حالت میں وفات پائی، دیکھو خدائے تعالیٰ نے اولیاء اللہ کو کس قدر تصرف کی طاقت
عنایت فرمائی ہے، کہ دوسرے کو اپنا ہمشکل، ہم رنگ، ہم جسم اور ہم لباس بنا دیتے ہیں، مولوی اسماعیل صاحب کے
پیرو مرشد کو حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ
علیہ دونوں بزرگوں نے فیض قادری و نقشبندی بخشا، اور اُسے خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ العزیز
کے مرقد مبارک سے نسبتِ چشتی حاصل ہُوا، اس سے ثابت ہُوا کہ اولیاء اللہ کی قوتِ روحانی وفات کے بعد اور
بھی بڑھ جاتی ہے، کیونکہ ان بزرگوں نے کہاں سے کہاں تک اپنا فیض اپنی توجہ سے پہنچا دیا، مولوی اسماعیل صاحب
مقتول دہلوی ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ مثل جیلۂ خاص کے ہوتے ہیں، تمام خلقت سے برگزیدہ، خدا
تعالیٰ کی سلطنت میں تصرف کرنے والے اُن کے لئے یہ کہنا درست اور جائز ہے، کہ عرش سے فرش تک ہماری
سلطنت ہے، یعنی جیسے خدا کا ملک ہے، ویسے ہی وہ ہمارا ملک ہے، اور نسبت مساوی ہے، نیز مولوی صاحب
فرماتے ہیں کہ یہ بزرگوار عرش سے فرش تک جو کچھ خلقت کے فوائد ہیں، وہ سب دیکھ رہے ہیں، نیز یہ بزرگ لوح
محفوظ کا مطالعہ کرتے ہیں اور جو کچھ زمانہ مستقبل میں ظاہر ہونا ہوتا ہے، وہ سب کچھ دیکھ لیتے ہیں، لوگوں کی مشکلات
حل کرتے ہیں، اسی عبارت کی موجودگی میں دیوبندیوں کا تصرف و قدرت اولیاء سے انکار محض جہالت اور ضد ہے
جو حقیقت کے خلاف ہے، مؤلف عقائد اہل حدیث مُقر ہے، کہ مؤمنین اہلِ برزخ و عالمِ شہادت برابر ہیں حضرت
شیخ عبدالحق محدث دہلوی مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں اہلِ برزخ کا تصرف ثابت فرماتے ہیں، حضرت قاضی

ثناء اللہ صاحب پانی پتی قدس سرہ العزیز اپنی تفسیر مظہری میں تحتِ آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یُعْطِیْ لِاَرْوَاحِھِمْ قُوَّۃَ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعداءھم انشاء اللہ تعالیٰ الخ۔ ترجمہ۔ یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ اُن کے روحوں کو قوت جسمانی بخشتا ہے، پس وہ زمین آسمان جنت میں اور جہاں چاہیں جاتے ہیں، اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں، اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ، اور اُن کی زندگی ایسی زندگی ہے، کہ اُن کے جسموں اور کفنوں کو زمین نہیں کھاتی، علماء کی ایک جماعت اس طرف ہے کہ یہ زندگی شہداء سے خاص کی گئی ہے، اور میرے نزدیک حق یہ ہے، کہ یہ خصوصیت صرف شہداء کی نہیں، بلکہ انبیاء علیہم السلام کی زندگی شہداء سے زیادہ قوی ہے، اور ظاہر ہیں اُن کے آثار اس کے مؤید ہیں، یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کے ساتھ آپ کی وفات کے بعد نکاح جائز نہ ہوا، بخلاف شہداء اور صدیق کے، کیونکہ انبیاء درجہ میں شہداء سے برتر ہیں، اور صالحین یعنی اولیاء اللہ برحق ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ کے اس قول سے مدلول ہے ”من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین“ اور اسی لئے صوفیاء کرام نے فرمایا کہ ہماری رُوحیں جسم ہیں، اور ہمارے جسم ہماری روحیں ہیں، اور بہت سے اولیاء اللہ سے متواتر خبر ہے کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد فرماتے ہیں، اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور مخلوق کو حق تبارک وتعالیٰ کی طرف ہدایت فرماتے ہیں، حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی نے فرمایا، کہ کمالاتِ اربابِ نبوت بالوراثت ہیں، اور میں کہتا ہوں کہ وہ حضرات صدیق اور صلحاء ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کو ایسا وجود عطا کیا جاتا ہے، جو بعد موت بھی زندگی کا حال ہے، جس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے، اِنَّ اَجْسَادَ الانبیاء والشہداء وبعض الصلحاء لا یاکلھا الارض، یعنی انبیاء علیہم السلام شہداء اور بعض صالحین کے جسم کو زمین نہیں کھاتی، کیونکہ زمین پر خدا تعالیٰ نے ان کا کھانا حرام کر دیا ہے، اور وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں، کہ شہداء کے مزارات شریفہ میں سے خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کی آواز سنی گئی، اور جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس راستہ سے نہر کھدوائی تو فرمادیا، کہ جس جس کے شہید یہاں مدفون ہیں، اُٹھالیں، پھر جب اُن شہداء کے جسم دیکھے گئے، تو ویسے ہی زندوں کی طرح نظر آئے، جسم پر انگشت رکھنے سے خون بدن ادھر اُدھر ہو جاتا اور کفن بھی ویسے ہی نئے معلوم ہوتے، جسموں سے کستوری کی خوشبو آتی تھی، حالانکہ ان کی شہادت کو چھیالیس ۴۶ برس گذر چکے تھے، امام بغوی نے عبیدؓ بن عمیر سے روایت کی ہے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ احد سے واپسی پر مصعبؓ بن عمیر کے مزارِ مقدس کے پاس سے گذرے، پھر آپ وہاں ٹھہر گئے، اور اُن کے لئے دعا فرمائی اور آیت پڑھی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ پھر آپ نے فرمایا، کہ یہ لوگ شہداء ہیں تم اُن کے پاس آؤ، اُن کی زیارت کرو، اور اُنہیں سلام کرو، مجھے قسم ہے اُس ذات پاک کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جو کوئی اُنہیں سلام کرے گا وہ اس کا جواب دیں گے، قیامت تک ایسا ہی رہے گا، اور ایک

حدیث میں یہ الفاظ زائد ہیں، ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُكَ بِمَكَّةَ وَبَابُهَا ارْقُ حُلَّةٍ وَلَا احسن لمته منك یعنی میں نے تم کو مکہ میں دیکھا دراں حالیکہ دروازہ اُس کا شفاف اور مزین تھا اور نہیں دیکھا میں نے تجھ سے بہتر کانوں کے نیچے لٹکے ہوئے بالوں والا اور فی سبیل اللہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ لفظ جہاد یعنی لڑائی کرنا عام ہے، اور اس میں وہ شخص بھی شامل ہے، جو امور خیر میں سعی بلیغ کرتا ہوا فوت ہوا، اگرچہ لفظ قتل اُس پر عائد نہیں ہوتا، لیکن وہ دلالتاً اُس میں داخل ہے، بطریق اولیٰ یا بالمساوات یا بالقیاس، کیونکہ اپنے نفس کے ساتھ لڑائی کرنا جہاد اکبر ہے جو جہاد اصغر سے دشوار اور سخت تر کام ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد اکبر کرنے والے اولیاء بھی منصب میں شہداء کے برابر ہیں اور اپنے دوستوں کی امداد کرتے ہیں، اور دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور مشکل کشائی فرماتے ہیں۔

حضرت شیخ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ" کے ترجمے میں فرماتے ہیں "وآنانکہ جائے دادند و تصرف کردند این بعضے ایشاں کارساز بعض اند" اس سے ایک دوسرے کا کام بنانا، کارسازی کرنا، نصرت و مدد کرنا دوامًا ثابت ہوا۔ طبرانی نے کبیر میں اور ابن مندہ اور ابن عساکر نے حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے روایت کی ہے، کہ آپ دونوں شہزادوں امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، اور التجا کی کہ آپ انہیں کچھ عطا فرما دیں، آپ نے فرمایا کہ حسن کے لئے تو میری ہیبت اور سرداری ہے، اور حسین کے لئے جرأت و کرم یہ عطائیں ایسی تھیں جو بظاہر ہاتھ میں نظر تو نہیں آتیں، مگر فی الحقیقت انہیں عطا ہوئیں، اور آپ معطی ثابت ہوئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعدد اسم ہیں، اور ہر اسم سے آپ کا کوئی نہ کوئی تصرف ہی ثابت ہوتا ہے صحیح بخاری، صحیح مسلم، اور مسند امام احمد میں سیدنا عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور اقدس صلعم سے عرض کی کہ حضور نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع دیا، خدا کی قسم آپ کی حمایت کرتا اور آپ اور آپ کے لئے لوگوں سے لڑتا جھگڑتا تھا، فرمایا وَجَدْتُهٗ فِیْ غَمَرَاتٍ مِّنَ النَّارِ فَاَخْرَجْتُهٗ اِلٰی ضَحْضَاحٍ یعنی میں نے اس کو سراپا آگ میں ڈوبا ہوا پایا، تو اُسے کھینچ کر پاؤں تک کی آگ میں کر دیا۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا دوزخ میں نظر فرمانا اور اس کی کماحقہٗ مدد فرمانا کتنا بڑا تصرف ہے، اور اسی مضمون کی حدیث بزاز و ابویعلیٰ اور ابن عدی نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی کی ہے۔

ایک اور حدیث ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، کہ آپ نے فرمایا کہ یہ قبریں اپنے ساکنوں پر اندھیرے سے بھری ہیں اور بے شک میں اپنی دعا سے روشن کر دیتا ہوں، حضور صلعم نے مسیلمہ کذاب کے ذکر میں فرمایا کہ خوش ہو اگر وہ نکلا اور میں تم میں تشریف فرما ہوا تو اللہ اور اُس کا رسول تمہارے لئے کافی ہے، حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

ابشروا فان یخرج وانا بین اظهرکم فالله کافیکم ورسوله یہاں سخت ترین اعدا کے مقابلے میں اللہ اور رسول کو کفایت فرمانے والا بتایا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے اپیل کی کہ اپنے مال کا کچھ حصہ راہِ حق میں دیں

جملہ صحابہ کرام اپنی اپنی استطاعت و ہمت کے مطابق کچھ مال لے آئے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے گھر سے ہر چھوٹی بڑی چیز لے آئے حضورؐ نے پوچھا کہ اہلِ خانہ کے لئے بھی کچھ چھوڑا یا نہیں تو آپ نے جواباً عرض کیا کہ خدا اور اُس کے رسولؐ کو گھر چھوڑ آیا ہوں علامہ اقبال نے اس مضمون کو اپنے الفاظ میں یوں ادا کیا ہے:۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس — صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسامہ بن زید رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو فرمایا کہ مجھے اپنے گھر والوں میں سب سے زیادہ عزیز وہ ہے جسے اللہ نے اور میں نے نعمت دی (رواہ ترمذی) اس میں آپ نے اپنی ذات کو منعم قرار دیا یہ حدیث مضمون میں اس آیت سے موافق ہے انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ (انعام کیا اُس پر اللہ تعالےٰ نے اور انعام کیا اُس پر آپ نے)۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے ہم نے کسی کام پر مقرر کیا پس ہم نے اُسے رزق دیا (رواہ ابوداؤد وحاکم) یہ اس آیت کے مطابق ہے کما قولہ تعالےٰ ان اغناھم اللہُ ورسولہٗ من فضلہ نیز فرمایا اتٰھُمُ اللہُ ورسولہٗ ــــ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) فرماتے ہیں بیشک تشریف لایا تمہارے پاس وہ رسول جو ضعف و کاہلی سے پاک ہے تاکہ وہ غلاف چڑھے ہوئے دلوں کو زندہ کردے اور اندھی آنکھوں کو کھول دے بہرے کانوں کو شنوا کردے اور ٹیڑھی زبانوں کو سیدھا کردے حتےٰ کہ لوگ کہہ دیں کہ ایک خدا کے سوا کسی کی پرستش درست نہیں (رواہ دارمی) اس میں آپ کا سمیع بصیر اور ہادی ہونا ثابت ہے قرآن مجید میں ہے فاجعلناہٗ سمیعًا وبصیرًا۔

طبرانی معجم کبیر میں بہ سند حسن سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہما سے مروی ہے اِنَّ النَّبِی صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَ الشَّمْسَ فَتَاَخَّرَتْ سَاعَۃً من نہار یعنی سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آفتاب کو حکم دیا کہ کچھ دیر تک چلنے سے باز رہے وہ فوراً ٹھہر گیا نیز چاند کو انگلی کے اشارے سے دو ٹکڑے کر دیا اس سے آپ کا آسمان پر بھی تصرف ثابت ہوتا ہے اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ خدائے تعالیٰ جل شانہٗ آپ کو یوں خطاب کرتا ہے کلھم یطلبون رضائی وانا اطلب رضائک قرآن مجید میں ہے ولسوف یعطیک ربک فترضی نیز فرمایا فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا وغیرہ ذالک۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو دریا کے عبور کرنے کا حکم ہوا تو آپ دریا کے کنارے پہنچے مگر سواری کے جانوروں کے منہ اللہ تعالےٰ نے پھیر دیئے کہ خود بخود لوٹ آئے موسیٰؑ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ ایسا کیوں ہوا خدا تعالےٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسفؑ کی قبر کے پاس ہو اُن کا جسد مبارک بھی اپنے ساتھ لے لو موسیٰ کو قبر کا پتہ نہ تھا اسلئے پوچھنے لگے ایک بوڑھی عورت کو پتہ معلوم تھا لیکن وہ کہنے لگی لَا وَاللہِ حَتّٰی تُعْطِیَنِیْ مَا اَسْئَلُکَ یعنی خدا کی قسم میں نہ بتاؤنگی جب تک آپ مجھے جو کچھ میں مانگوں عطا نہ فرمائیں آپ نے فرمایا ذٰلِکَ لَکَ یعنی تیری عرض قبول ہوئی پھر عورت نے کہا فانی اسئلک عن اکون معک فی الدرجۃ التی تکون فیھا

فی الجنۃ یعنی میں حضور سے سوال کرتی ہوں کہ جنت میں میں اُس درجہ میں جاؤں جس میں آپ ہوں گے' آپ نے فرمایا' جنت مانگ لے تجھے یہی کافی ہے۔ لیکن عورت نے پہلی بات پر اصرار کیا' اور آپ بھی اُس سے ردوبدل تکرار میں مصروف رہے' کہ اتنے میں حکم الٰہی نازل ہُوا' اعطھا ذلک فانہ لن ینقصک شیئا یعنی اسے وہی عطا کردو' جو کچھ مانگتی ہے اس میں تمہارا کچھ نقصان نہیں' اس پر موسٰےؑ نے اُس کو جنت میں اپنی رفاقت عطا فرمادی' پھر اُس نے یوسفؑ کی قبر بتادی' اس سے ثابت ہوتا ہے' کہ اُس بوڑھی عورت نے حضرت موسٰیؑ کو کارخانہ الٰہی کا مختار تسلیم کرکے جنت میں اعلٰی درجہ طلب کیا' اگر یہ شرک تھا تو آپ نے باوجود جلالت وہیبت کے اُسے کیوں نہ روکا' ایسا ہی صحابہ کرام کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اعتقاد تھا' لیکن افسوس کہ وہابیوں کا خیال ہے کہ جب حضور صلعم اپنی صاحبزادی کو دوزخ سے نہیں بچاسکتے' تو اوروں کے کیا کام آئیں گے' یہ بہت بڑی گمراہی ہے' ان لوگوں کو قیامت کے دن شیطان بھی دکھا جواب دے جائے گا' اور یہ سر پہ ہاتھ رکھ کر چلائیں گے

ما زیاراں چشم یاری داشتیم　　　خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوازن کی غنیمتیں حُنین میں تقسیم فرما رہے تھے' ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کی یا رسول اللہ آپ نے مجھ سے کچھ وعدہ فرمایا تھا' ارشاد ہُوا' صدقت فاحتکم ماشئت یعنی تُو نے سچ کہا جو جی میں آئے' مانگو .... عرض کی' اسی دُنبے اور اُن کو چرانے والا غلام عطا ہو' آپ نے ایسا ہی کیا' اور فرمایا' ولصاحبۃ موسیٰ التی دلتہ علی عظام یوسف کانت احزم منک حین حکمھا موسیٰ فقالت حُکمی ان تردنی شابۃ وادخل معک الجنۃ۔ یعنی بے شک موسٰیؑ والی وہ صاحبہ جس نے انہیں یوسفؑ کا تابوت بتایا تھا' تجھ سے زیادہ دانش مند تھی' جبکہ اُسے موسٰےؑ نے اختیار دیا تھا' کہ جو چاہے مانگ لے' اُس نے کہا میں قطعی طور پر یہی مانگتی ہوں' کہ آپ میری جوانی واپس فرمادیں' اور میں آپ کے ساتھ جنت میں جاؤں' چنانچہ ویسا ہی ہُوا' جیسا کہ وہ چاہتی تھی' حاکم نے کہا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے' اس حالت میں منکرین تصرف کی ناک ہی کٹ گئی کیونکہ موسٰی علیہ السلام نے اُس عورت کی جوانی لوٹادی ا۔

ایک طویل حدیث میں ترمذی اور حاکم نے ابوہریرہؓ سے اور ابوداؤد طیالسی وامام احمد وابن سعد وطبرانی بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ہے' کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنی عمر سے چہل سال عمر عطا کی' اور امام طحاوی کے آثار میں ہے' حدثنا ابن مرزوق حدثنا ازھر السمان عن ابن عون عن محمد قال قال عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لنا رقاب الارض یعنے حضرت امیرالمومنین عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا کہ زمین کے مالک ہم ہیں' نیز لکھا ہے' بعث النبی صلے اللہ علیہ وسلم الی عثمانؓ یستعینہ فی جیش العسرۃ فبعث الیہ عثمانؓ بعشرۃ الاف دینار الخ ترجمہ۔ یعنی جب حضور علیہ السلام نے غزوۂ تبوک کے لئے لشکر کو تیاری کا حکم دیا' تو اس وقت مسلمان تنگی اور عسرت کی حالت میں تھے' لہذا حضور اقدس صلعم نے اس باب میں حضرت عثمانؓ غنی سے استعانت فرمائی

حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس ہزار اشرفیاں حاضر کیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے عثمان اللہ تعالیٰ تیری ظاہر اور باطن سب خطائیں آج سے لیکر قیامت تک جو کچھ کہ تجھ سے واقع ہوں، معاف فرمائے روایت کیا اس کو ابن عدی اور دارقطنی اور ابونعیم نے فضائل صحابہ میں حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہاں وہابی غیر خدا سے استعانت کو شرک تو نہیں سمجھیں گے، اور ایاک نستعین کے بارے میں کیا کہیں گے اسی طرح ایک مصری کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پناہ مانگنا اور حضرت عمر بن عاص رضی اللہ عنہ کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استغاثہ کرنا مذکور ہے، اور علامہ ابن حاج اپنی کتاب مدخل جلد اول مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۲۶ میں ولقد رأی من ایات ربہم الکبریٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں، قال علماء نا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم رأی صورۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام فاذا ہو عروس المملکۃ فمن توسل بہ او استغاث بہ او طلب حوائجہ منہ فلا یرد ولا یخیب۔ یعنی ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آپ نے اپنے آپ کو عروس مملکت کے ملبوس میں مشاہدہ فرمایا، پس جو شخص آپ کے ساتھ توسل یا استغاثہ کرے گا، یا اپنی حوائج آپ سے طلب کریگا، وہ بلاشبہ کامیاب ہوگا۔

تصرف انبیاء پر منکرین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

آیت ۱۔ قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً الا ماشاء اللہ، ترجمہ۔ تو کہہ دے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا، اور نہ برائی کا، آیت مذکورہ میں نفی ملک حقیقی کی ہے، نہ کہ ملک مجازی کی نیز آیت میں بعد نفی ملکیت سے اثبات بحرف الا (لفظ استثناء) موجود ہے، یعنی الا ماشاء اللہ کیونکہ اگر نفی ملک مجازی کی ہوتی تو حضرت موسیٰ لا املک الا نفسی واخی نہ فرماتے، یعنی اپنے نفس اور اپنے بھائی کی نفس کی ملکیت کا دعویٰ نہ کرتے، اس آیت کو نفی تصرف کے ثبوت میں پیش کرنا نری جہالت ہے۔

آیت ۲۔ ان الحکم الا للہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین۔

ہمارا بھی یہی ایمان ہے، کہ حاکم حقیقی خدا تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں، مگر حکام مجازی سے انکار کرنا حاکم حقیقی کا انکار ہے، کیونکہ حاکم مجازی کا وجود اسی وقت متصور ہوتا ہے، جبکہ حاکم حقیقی کا وجود کلیتہً ثابت ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کائنات کے لئے خدائے تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں، اور دیگر خلفائے راشدین آپ کے خلفاء تھے، تو کیا آپ کو حاکم تسلیم نہ کیا جائے، یا آپ کے حاکم تسلیم کرنے سے خدا تعالیٰ کے حکم کی نفی ہوتی ہے، حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں، یہ محض منکرین کا دجل اور فریب ہے، جو محض بداعتقادی کی بناء پر ہے۔

آیت ۳۔ لیس لک من الامر شیءٌ او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظلمون ﴿

آیت مذکورہ بھی اپنی حقیقت پر محمول ہے، ورنہ امرائے مجازی سے انکار لازم آئے گا، بقیہ مضمون قولہ تعالیٰ ھٰذا عطاء نا فامنن او امسک بغیر حساب کی تفسیر میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختار فی الامور ہونے کے باب میں آئے گا۔

آیت ۴ - ان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہٗ الا ھو، وان یمسسک بخیر فھو علیٰ کل شئ قدیرؔ

ہمارا بھی ایمان ہے کہ حقیقی کاشف الضر بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ورنہ ہزارہا چیزیں ضرر رساں اور نفع بخش موجود ہیں اور ہم ہر روز کہنے لگتے ہیں کہ ہمیں فلاں چیز یا فلاں آدمی سے نفع یا نقصان حاصل ہوا اشخاص یا اشیاء کا نافع یا مضر ہونا امر الٰہی سے ہے، حقیقی طور پر نفع و نقصان کی مالک وہی ذات باری تعالیٰ ہے جس کے ہاتھ میں سب طرح کی طاقتیں ہیں اور منکرین مجازی نافع و مضر چیزوں کا انکار کر کے ذات حقیقی کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ جو آدمی سورج کو نہ مانے اور اس کی شعاعوں یا خاصیتوں مثلاً حرارت اور روشنی کا انکار کرے وہ دراصل سورج کا ہی منکر ہے۔

آیت ۵ - ومن یرد اللہ فتنتہٗ فلن تملک لہٗ من اللہ شیئاً۔

اس آیت میں بھی لا املک لنفسی نفعاً کی طرح ملک حقیقی کی نفی ہے، ملک مجازی کی نہیں۔

آیت ۶ - ان تحرص علیٰ ھداھم فان اللہ لا یھدی من یضل وما لھم من ناصرین۔ ترجمہ اگر آپ ان کی ہدایت پر زیادہ حرص کریں پس اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کرے، ہدایت نہیں کرتا اور ان کے لئے کوئی مددکنندہ نہیں ہے۔ آیت مذکورہ میں نفی ہدایت حقیقی کی ہے، ورنہ حضور صلعم کے راہنمائے امت اور ہادی ہونے میں کیسے شبہ ہو سکتا ہے، قرآن مجید میں ہے انک لتھدی الیٰ صراط مستقیم۔ پس اگر یہاں حقیقت و مجاز کے فرق کو مدنظر نہ رکھا جائے تو یؤمنون ببعض الکتٰب ویکفرون ببعض کا مصداق ہونا پڑے گا۔

آیت ۷ - ما لھم من دونہٖ من ولی ولا یشرک فی حکمہٖ احدا۔ ترجمہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا کوئی مددگار نہیں اور نہ ہی وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ اس آیت میں کفار کا ذکر ہے، کہ ان کا کوئی ولی یعنی مددگار نہیں، اور ولایت غیر اللہ مجازاً مسئلہ نصرت میں واضح ہو چکی، حضور علیہ السلام خود فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی نہیں اس کا میں ولی ہوں۔

آیت ۸ - قل انی لا املک لکم ضراً ولا رشداً۔ ترجمہ آپ کہہ دیں کہ میں تمہاری رشد و ضلالت کا مالک نہیں ہوں" اس آیت کا مطلب بھی وہی ہے جو ملک حقیقی و مجازی میں اوپر گذر چکا جن آیات کے مصداق کفار اور اُن کے بُت ہیں، اُن کو اولیاء اللہ اور انبیاء پر چسپاں کرنا منکرین مکذبین کا ہی کام ہے، امام الوہابیہ مولوی اسمٰعیل مقتول دہلوی اپنی تالیف تقویۃ الایمان میں جس کی تصدیق مولوی رشید احمد گنگوہی نے کی ہے، لکھتے ہیں۔

"پھر خواہ یوں سمجھے کہ ان کاموں کی طاقت اُن کو خود بخود ہے، خواہ یُوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو ایسی قدرت بخشی ہے، ہر طرح شرک ثابت ہوتا ہے"۔

نظر بریں عبارت قرآن شریف نعوذ باللہ شرک سے بھرا پڑا ہے، وہابیوں کو ایسی شرک آموز کتاب سے پرہیز کرنا چاہیئے، مولوی محمد لکھوی اور اُن کے چیلے چانٹے بھی مولوی اسمٰعیل صاحب کی تقلید میں بیابان ضلالت و جہالت میں سرگرداں ہیں اُن کا یہ قول کہ خدا تعالیٰ کے عطا کرنے سے انبیاء و اولیاء کے لئے قدرت و تصرف ثابت کرنا شرک ہے صریح آیات قرآنی اور احادیث نبویہ صلعم کے خلاف ہے، وہ آیات و احادیث جن سے تصرف و

قدرت باعطائے الٰہی ثابت ہے، اُوپر مذکور ہو چکیں، اُن کو پڑھئے اور منکرین کے اعتقاد کا پول ملاحظہ کیجئے ۔

اَب ہم منکرین پر اتمام حجت کے لئے مؤلف عقائدِ اہلِ حدیث رئیس غیر مقلدین مولوی وحید الزمان کی کتاب ہدیۃ المہدی جلد اول سے کچھ عبارت نقل کرتے ہیں جو اُس نے محمد بن عبد الوہاب نجدی اور مولوی اسماعیل دہلوی کی عبارات کا خلاصہ نقل کرتے ہوئے جواب میں لکھی ہے ۔

اما لو فعل هذه الافعال بل اشد منها كالسجدة والركوع والطواف لا بطريق العبودية له سے لے کر ونحوهذا من الاسنادات كثير فى الكلام الله ورسوله تک، تمام عبارت کا ماحصل یہ ہے، اگر کوئی ان افعال میں سے کوئی فعل کرے، بلکہ ان سے سخت افعال مثلاً سجدہ، رکوع اور طواف کا مرتکب ہو جو بہ طریقِ عبادت نہ ہوں، اور ماسوا اللہ کو فاعل مختار اور قادر بالاستقلال خیال نہ کرے بلکہ اس کا اعتقاد یہ ہو کہ اس چیز یا شخص کو اعطائے الٰہی کے بغیر ذاتی اور مستقل طور پر کسی امر عظیم یا یسیر پر تصرف و قدرت حاصل نہیں، اور خدا کی طرف سے اُس کو اس کام کے کرنے کا حکم ہوا ہے، اور اس کا یہ تصرف بھی منجانب الٰہی ہے ۔

نیز یہ کہ خدا نے اس کام کے لینے کا ارادہ اُس سے کیا ہے، اور مرتکب کا قصد ان افعال سے شعائر الٰہیہ کی تعظیم وتحیت ہے، اور یہ تعظیم وتحیت خواہ اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ نشانیوں کے لئے ہو، یا عباد مقربین صالحین کے لئے، اس حالت میں مرتکب افعال کو شرک کا مجرم نہیں کہا جائے گا، بوجہ اس نیت کے جو اُس کے اور خدا کے درمیان ہے، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے، ومن يُعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب ومن يعظم حرمات الله فهو خير له عند ربه ۔

اور کیا تو نہیں دیکھتا، کہ جب حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کیا، تو آپ نے اُسے تجدید ایمان کا حکم نہ فرمایا، بلکہ آپ نے صرف نہی تک اختصار فرمایا، اور ایک روائت میں وارد ہے، کہ جنتی لوگ اُنہیں اپنے گھروں کو قائم رکھنے کے لئے سجدہ کریں گے (یعنی بطور شکرانہ نعمت)، اس حدیث کو ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت علیؓ سے نکالا، ہم کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں، حجر اسود کو چومتے ہیں، صفا و مروہ کی تعظیم کرتے ہیں، پھر ہم ان افعال شرک سمجھنے کی بجائے الٹا ثواب کی توقع رکھتے ہیں، کیا تو نہیں دیکھتا، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احى الموتى باذن الله فرمایا، یعنی میں خدا کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں، صفتِ احیا کو جو صرف باری تعالیٰ سے مخصوص ہے، اپنی طرف منسوب فرمایا، لیکن باوجود اس کے وہ شرک وکفر کے مرتکب نہیں ہوئے، نیز خدا تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، لتخرجَ النّاس من الظلمٰتِ الى النور باذن ربهم نیز فرمایا، يخرجهم من الظلمٰتِ الى النور باذنه یعنی تو آدمیوں کو ان کے رب کے اذن سے اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالتا ہے، اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جانا بھی صرف خدا ہی کا وصف ہے لیکن یہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہو رہا ہے، اور موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حکم ہوا، اَخرِج قومكَ من الظلمٰتِ الى النور یعنی اپنی قوم کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لے جا، اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے

فرشتے نے مریم علیہا السلام کو کہا لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا یعنی میں اس لئے آیا ہوں، تاکہ تجھے پاکیزہ بیٹا بخش جاؤں، تمام دنیا جانتی ہے، کہ اولاد بخشنا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے، مگر یہاں جبرائیل علیہ السلام اسے اپنی ذات کی طرف منسوب فرما رہے ہیں، چونکہ ان کا کہنا اور بیٹا عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے، اسلئے یہ کفر و شرک میں شامل نہیں، قرآن مجید میں ہے، وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰھُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ مِنْ فَضْلِہٖ۔

پس صفتِ اغنا کو جو صرف اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے، اُسے اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی منسوب فرما دیا، ان نسبتوں کی طرح خدا اور اُس کے رسول کے کلام میں اور بھی کئی نسبتیں ہیں یعنی قرآن و حدیث میں اس قسم کی کئی عبارتیں ہیں۔

عقائد اہل حدیث کے مؤلف نے قرآن وحدیث سے بعطائے الٰہی غیر اللہ کے لئے قدرت و تصرف ثابت کیا، اہل سنت و الجماعت کا بھی یہی عقیدہ ہے، لیکن وہ بھی غیر اللہ کے لئے قدرت و تصرف کو بالذات نہیں مانتے، بعطائے الٰہی ہی تسلیم کرتے ہیں، مقربانِ الٰہی کے کام ہمیشہ رضائے الٰہی کے تابع ہوتے ہیں، اسلئے انہیں ایسا کہنے اور کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور ہر وقت اذن لینے کی ضرورت نہیں ہوتی، خضر علیہ السلام نے تو کشتی توڑتے وقت فرمایا، اَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَھَا یعنی میں نے ارادہ کیا کہ اس کشتی کو عیب دار کر دوں، اس جگہ آپ نے اپنی ذات خدا کی صفت ارادت کو منسوب کر لیا، یہ کام اور اقوال محض مجازی طور پر دوسروں کی طرف منسوب ہوتے ہیں حقیقت میں ان کا تعلق ذاتِ الٰہی سے ہی ہوتا ہے، تقویۃ الایمان میں لکھا ہے، کہ خدا کو ہی مان اور کسی کو نہیں، اوروں کو ماننا محض خبط ہے، آیات قرآنی کو لکھ کر اُن کے ضمن میں ایسے خانہ ساز فائدے لکھدیئے، جنہیں قرآن مجید سے کچھ تعلق نہیں، بلکہ خلاف ہیں، قرآن پاک میں ہے، کل اٰمن باللہ و ملٰئکتہٖ و کتبہٖ و رُسُلِہٖ نیز قولہ تعالیٰ یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک وبالاٰخرۃ ھم یوقنون، ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق مسلمان اُس کے علاوہ ملائکہ، کتب سماوی انبیائے کرام اور روزِ قیامت کو بھی مانتے ہیں، اور یہ بات اُن کے ایمان میں داخل ہے، مگر وہابیوں کے خیال میں سوائے خدا دوسروں کو ماننا خبط ہے، گویا اُن کے زعم فاسد میں قرآن مجید میں شرک کی تعلیم ہے (نعوذ باللہ من ذٰلک) اچھا ہوا، کہ انہوں نے اس کتاب کو چھوڑ دیا اور اُس کی بجائے تقویۃ الایمان سے تمسک کر لیا، اسی طرح تخفیف کرتے کرتے کوئی دن آتا ہے، کہ اُنہیں خُدا کے ماننے کی بھی ضرورت نہ رہے گی، صراطِ مستقیم میں مرشد کے متعلق لکھا ہے۔ صراط مستقیم

"از ان جملہ شارت تعلق قلب است بمرشد خود استقلالاً یعنی نہ بہ آن ملاحظہ کہ این شخص ناود این فیض حضرتِ حق و واسطۂ ہدایتِ اوست بلکہ بحیثیتکہ تعلق عشق ہمان میگردد چنانکہ یکے از اکابر این طریق فرمودہ کہ اگر حق جل و علا در کسوتِ مرشد من تجلی فرماید ہر آئینہ مرا باو التفات در کار نیست الخ۔"

اس کا ترجمہ بھی غیر مقلد کا کیا ہوا نقل کیا جاتا ہے، منجملہ آثارِ حُب عشقیہ کے اپنے مرشد کے ساتھ دل کا تعلق شدید ہو جاتا ہے، یعنی نہ اس لحاظ سے کہ یہ شخص حضرتِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے فیض کا ذریعہ ہے اور اُس کی

ہدائیت کا واسطہ ہے، بلکہ اس حیثیت سے کہ خود مرشد ہی سے عشق کا تعلق ہو جاتا ہے، چنانچہ اس طریق کے بزرگوں میں سے ایک شخص کا مقولہ ہے، "اگر اللہ تعالیٰ میرے مرشد کی صورت کے سوا کسی اور لباس میں تجلی فرمائے، تو البتہ میں اُس کی طرف بھی التفات تک نہ کروں گا" یعنی مرشد کی حضوری میں التفات تک نہ کرنا کہاں اور انبیاء واولیاء کو بھی نہ ماننا کہاں ببیں تفاوتِ راہ از کجا است تا بکجا ——— نیز اسی صراطِ مستقیم میں ہے، کہ خدا تعالیٰ کے محبوب چیلہ خاص کی مانند مالک کے ملک میں تصرف و اختیار رکھتے ہیں، اور مثل ملائکہ بزرگوار کے کاموں کی تدبیر کرتے ہیں، کلام کا یہ تضاد اسمٰعیل دہلوی کے کلام میں ہی پایا جاتا ہے، خدا تعالےٰ کے کلام میں ایسا متصور نہیں، نیز اُس نے لکھا ہے، کہ ہر طالب کے نفس کامل کو جذب رحمانی کی موجیں دریائے احدیت میں کھینچ لے جاتی ہیں، اس امر کے ثبوت میں اُس نے آگ اور لوہے کی مثال بیان کی ہے، جب طالب دریائے احدیت کی موجوں میں غوطہ زن ہوتا ہے تو صدائے "انا الحق" ولیس فی جُبّتی سوی اللہ اس سے صادر ہوتی ہے؛ اور یہ حدیث قدسی بھی اسی امر کی طرف اشارہ کر رہی ہے" سمعہ اللہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصربہ ویدہ الذی یبطش بہا ورجلہ التی یمشی بہا ۔

ایک روائیت میں اسی حال کی حکایت ہے، وہ یوں ہے کہ "خبردار اس معاملہ پر تعجب وانکار نہ کرنا کیونکہ جب وادیِ مقدس کی آگ سے ندائے انی انا اللہ رب العٰلمین سرزد ہوئی، تو پھر اشرف الموجودات سے جو حضرت ذات سبحانہ وتعالیٰ کا نمونہ ہے، انا الحق کی آواز آئے تو کوئی تعجب کا مقام نہیں، اور عجیب عجیب خوارق کا صدور اور قوی تاثیرات کا ظہور، دعاؤں کی قبولیت اور آفات وبلیات کا دفعیہ اسی مقام کے لوازمات میں سے ہے، اور اسی معنی کی تصریح اس حدیث قدسی میں بھی موجود ہے ۔

لان سٲلنی لاعطینہ ولان استعاذنی لاعیذنہ ۔ یعنی اگر وہ بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرور اُسے دونگا، اگر مجھ سے پناہ مانگے تو ضرور اُسے پناہ دونگا، اور اسی کے لوازمات میں سے یہ بھی ہے، کہ صاحب حال کے دشمنوں پر اور بداندیشوں پر وبال ومصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں، چنانچہ حدیث قدسی میں ہے، "من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب ۔

کسی نبی یا ولی کو دُور و نزدیک سے بخطاب حاضر پکارنا

کسی نبی یا ولی کو دُور سے یا بعد وفات پکارنا جائز ہے، اہل السنت والجماعت کے نزدیک یہ پکار اُنہیں مظاہر عون الٰہی سمجھنے کی صورت میں ہوگی، اگر بغرض عبادت کسی نبی یا ولی کو پکارا جائے، تو پکارنے والا مشرک ہو جائیگا، کیونکہ خدا تعالےٰ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش جائز نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، لا تشرکوا بعدی پس کوئی صحیح العقل مسلمان کسی نبی یا ولی کی عبادت نہیں کرتا، نہ اسے وہ کسی صورت میں جائز سمجھتا ہے، جس طرح کہ مشرکین عرب ملائکہ کی اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، یا یہود ونصاریٰ حضرت عزیر وعیسےٰ علیہما السلام کو خدا تعالےٰ کا بیٹا کہتے تھے، اور اُن کے متعلق غلط اعتقاد رکھتے تھے ۔

سلہ میں خدا ہوں اور میرے جبہ میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں ۔

دعا کا لفظ اپنی مختلف حالتوں میں کئی معنی میں مستعمل ہے، جہاں یہ لفظ بہ معنی عبادت استعمال ہوا ہے، وہاں خدا کی عبادت کے سوا کسی اور کی عبادت کو جائز سمجھنا شرک ہے، اور جہاں یہ لفظ پکارنے کے معنی میں آیا ہے، وہاں اس کا مفعول غیر اللہ بھی ہو، تو اس میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی، ہم ذیل میں چند آیات نقل کرتے ہیں جن میں یہ لفظ پکارنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے:۔

(۱) یا ایہا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم۔ ترجمہ: اے وہ کوئی کہ ایمان لائے ہو تم قبول کرو تم خاص اللہ کے حکم کو اور پیغمبر کے حکم کو جس وقت بلاوے تم کو پیغمبر طرف اُس چیز کے کہ زندہ کرتی ہے تم کو یعنی علم دین کا، کہ زندگی دل کی اُس سے ہے، یا عقائد صحیح اور اعمال نیک کہ حیاتِ ابدی کو پہنچاتے ہیں بہشت میں یا جہاد ہے کہ سبب زندگی اور بقا کا ہے کہ نہ کریں تو دشمن غالب ہو کر ہلاک کرے، (موضح القرآن)

(۲) قالت ان ابی یدعوک لیجزیک اجر ما سقیت لنا۔ ترجمہ: کہا اس لڑکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہ باپ میرا بلاتا ہے تجھ کو تاکہ بدلہ دے تجھے عوض اس کے جو پانی پلایا تو نے ہماری دنبیوں کو۔ (موضح القرآن)

(۳) ثم اذا دعاکم دعوۃً من الارض اذا انتم تخرجون۔ ترجمہ: پس جس وقت بلائے تم کو اسرافیل ساتھ نفخۂ اخیر کے حق بلانے کا یعنی آواز دے کہ مردو باہر آؤ زمین سے اُس وقت تم باہر آؤ قبروں اپنی سے اور وہ باہر آنا قبروں سے، اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے:۔

(۴) ولقد نادیناہ ان یا ابراہیم۔ اور پکارا ہم نے کہ اے ابراہیم:۔

اسی قسم کی کئی آیات اور بھی قرآن مجید میں موجود ہیں، جن میں ندا اور دعا کے الفاظ پکارنا کے معنی میں آئے ہیں، لیکن ان میں پکارنے کے معنی عبادت نہیں، ہاں جہاں مخاطب بُت ہوں، وہاں یہ لفظ پرستش کے مفہوم میں ہوگا کیونکہ کفار بتوں کے پرستار ہوتے ہیں، مگر کوئی مسلمان کسی نبی یا ولی کی عبادت نہیں کرتا، اور نہ بُت سازی اُس کا وتیرہ ہے، تو ایسی صورت میں خواہ مخواہ اُس کی طرف یہ الزام تھوپنا ہے، کہ تم بتوں کی پوجا کرتے ہو یہ الزام محض جہالت کی بنا پر ہے:۔

ان آیات میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے، کہ غیر اللہ کو پکارنا جبکہ پکارنے والے کا مقصد عبادت نہ ہو، ناجائز نہیں، ہم روزمرہ کے کاروبار میں باہمی امداد و استمداد کے لئے ایک دوسرے سے خطاب کرتے رہتے ہیں، اور یہ خطاب باوجود غیر اللہ کی طرف ہونے کے شرک انگیز نہیں سمجھا جاتا، تو کوئی وجہ نہیں کہ نبی اور ولی کو مخاطب کرنا شرک سمجھا جائے، در آنحالیکہ اُن کا تصرف و اعانتِ روحانی زندوں سے بھی بدرجہا زیادہ ثابت ہو، تصرف کے متعلق گذشتہ باب میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اور اسی کے متعلقہ مسائل میں آئندہ ابواب میں بھی بہ تفصیل بحث کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ یہاں صرف ہم خطاب کا جواب ہی کریں گے:۔

قرآن مجید میں آپ کو متعدد مقامات پر مختلف القاب سے بہ صیغۂ خطاب پکارنا ثابت ہے، مثلاً یا ایہا النبی، یا ایہا الرسول، یا ایہا المزمل، یا ایہا المدثر وغیرہ، ان آیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مقدس

ہے بصیغہ حاضر باری تعالے نے خطاب کیا ہے، اور یہ خطاب قیامت تک قائم ہے، کروڑوں مسلمان جو قرآن پاک کی ہر روز تلاوت کرتے ہیں، ان الفاظ کو دہرا کر اپنے ایمانوں کو تازہ کرتے ہیں اور کام ودہن کو پاک کرتے ہیں، اگر اس پکار سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پرستش کا ذرا بھی شائبہ ہوتا، تو اس کی صاف تصریح کی جاتی، اور ممانعت فرمائی جاتی، مگر اللہ تعالے نے اسی پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ مومنین کو حکم دیا کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عزت وعظمت سے پکارا کریں، عوام کی طرح آپ کا نام نہ لیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے، لا تجعلوا دعاءِ الرسولِ کدعاءِ بعضکم بعضاً۔

ابولیث نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ضمن میں لکھا ہے، کہ اس آیت میں معلم الخیر کی توقیر کا بیان ہے، اور یہ ممکن نہیں کہ معلم شر (شیطان) دنیا میں ابد تک موجود رہے، لیکن معلم خیر (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے وجود کو فنا کی نذر تسلیم کر لیا جائے، کیا بنی نوع انسان کے ساتھ خدا تعالے کی (نعوذ باللہ) یہ ناانصافی نہیں؟

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ایسی نہیں جسے فنا کا ہاتھ ابدی نیند سلادے، بلکہ آپ کی زندگی ایسی اکمل اور مکمل ہے، کہ اس نے فنا کو بھی بحکم الٰہی زندگی بخش رکھی ہے۔

ایک حدیث میں جسے نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، طبرانی، حاکم، اور بیہقی نے سیدنا عثمان بن حنیف رضی اللہ تعالے عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک نابینا کو دعا تعلیم فرمانا مذکور ہے، اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن غریب صحیح اور طبرانی وبیہقی نے صحیح اور حاکم نے برشرط بخاری ومسلم صحیح کہا، امام حافظ الحدیث زکی الدین عبدالعظیم منذری وغیرہ ائمہ نقد وتنقیح نے اس کی تصحیح کو مسلم وبرقرار رکھا۔

آپ نے نابینا کو حکم دیا، کہ نماز پڑھنے کے بعد یوں دعاء مانگے۔

اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بمحمدٍ نبی الرحمۃ، یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فی حاجتی ھذہٖ لیقضی لی اللّٰھم فشفعہ فیّ۔ یعنی یا الٰہی میں تجھ سے مانگتا اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں، بوسیلہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبی الرحمۃ ہیں، یا رسول اللہ میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں، تاکہ میری حاجت روائی ہو، الٰہی انہیں میرا شفیع بنا اور ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

اس حدیث مقدس میں ندا کے علاوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استعانت والتجا کا ثبوت بھی ملتا ہے، حصن حصین شریف میں لِتَقْضِیَ لِیَ بصیغہ معروف بھی مذکور ہے، یعنی یا رسول اللہ آپ میری حاجت روا فرمائیں ——— حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری حرز ثمین شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں۔

" وفی نسخۃ بصیغۃ الفاعل ای لتقضی الحاجۃ لی والمعنی تکون سببًا لحصول حاجتی ووصول مرادی فالاسناد مجازی " اس دعا میں حیات، وفات، قرب وبعد یا غیب وحضور کا امتیاز نہیں، کیونکہ

منشاءِ تعلیم یہ نہ تھا کہ نماز پڑھ کر دعا کا ایک حصہ تو خدائے عزوجل کے حضور میں عرض کرنا اور دوسرا حضرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روبرو آکر، اور دعا میں اخفا سنت ہے، پھر اس صورت میں غیب و حضور کا فرق بھی اُٹھ جاتا ہے۔

حضرت عثمان بن حنیف نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالے عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایک اور شخص کو بھی تعلیم فرمائی، معجم کبیر امام طبرانی میں یہ حدیث یوں ہے، کہ ایک شخص حضرت امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں اپنی کسی حاجت کے سلسلہ میں حاضر ہوا، لیکن آپ نے اُس کی طرف التفات نہ فرمایا اُس نے حضرت عثمان بن حنیف سے یہ واقعہ بیان کیا، تو آپ نے فرمایا۔

ایت المیضاۃ فتوضأ ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی فیقضی حاجتی وتذکر حاجتک ورح الی حتی اروح معک، یعنی وضو کی جگہ جاکر وضو کرو، پھر مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرو، پھر یوں دعا کرو، کہ الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیری طرف اپنے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں، یا رسول اللہ میں حضور کی وساطت سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں، کہ میری حاجت روا فرمائیے، اور اپنی حاجت کا ذکر کرو، شام کو پھر میرے پاس آنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں، مرد حاجت مند نے ایسا ہی کیا، پھر امیر المؤمنین کے دروازے پر پہنچا، دربان آیا، اور ہاتھ پکڑ کر جناب امیر المؤمنین کے حضور لے گیا، امیر المؤمنین نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا، اور اُس کی حاجت روائی فرمائی الخ اب یہ شخص امیر المؤمنین سے رخصت ہو کر حضرت عثمان بن حنیف کے پاس آیا، اور کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے، امیر المؤمنین میری بات کی طرف غور نہیں فرماتے تھے، آپ نے میری سفارش کی، تو آپ نے التفات فرمایا، حضرت عثمان بن حنیف نے جواب میں کہا، کہ خدا کی قسم میں نے تو تمہارے بارے امیر المؤمنین سے کچھ بھی نہیں کہا، مگر یہ ہے کہ میں نے سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کی خدمتِ اقدس میں ایک نابینا آیا، اور اپنی نابینائی کی شکایت کی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقام وضو پر جاکر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر اور یہ دعا پڑھ، حضرت عثمان بن حنیف فرماتے ہیں، کہ خدا کی قسم کہ ہم اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ وہ اندھا بینا ہو کر آیا، گویا اُس کی آنکھوں کو کوئی عارضہ لاحق ہی نہ تھا، امام طبرانی اس حدیث کی متعدد اسناد نقل کر کے فرماتے ہیں، کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

مسئلہ استمداد میں ایک حدیث گزر چکی ہے، مقام کی مناسبت کے لحاظ سے ہم اُسے یہاں بھی نقل کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، واذا اضل احدکم شیئا و اراد عونا وھو بارض لیس بھا انیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عباداً لا یراھم یعنی جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے، اور وہ مدد چاہے، مگر وہ ایسی جگہ ہو جہاں کوئی ہمدم نہیں تو اُسے کہنا چاہیئے کہ

حدیث مندرجہ بالا حصن حصین میں ہے

"اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو" اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جن کو یہ نہیں دیکھتا وہ اُس کی مدد کریں گے ۔

عالمگیری میں کتاب الحج و آداب زیارت قبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ضمن میں ہے۔ ثُمَّ یَقُوْلُ السلام علیک یا نبی اللہ اشہد انک رسول اللہ یعنی (زائر) آپ سے مخاطب ہو کر کہے کہ اے نبی اللہ آپ پر سلام ہو، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ۔

پھر اُدھر سے فارغ ہو کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں خطاب کرے "السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ، السلام علیک یا صاحب رسولِ اللہ فی الغار" (ترجمہ) سلام ہو آپ پر اے رسولِ خدا کے جانشین، سلام ہو آپ پر غار ثور میں رسول اللہ کے ساتھی ۔

پھر کہے "السلام علیک یا امیر المومنین، السلام علیک یا مظہر الاسلام، السلام علیک یا مکسر الاصنام" یعنی سلام ہو آپ پر اے امیر المومنین (حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سلام ہو آپ پر اے اسلام کے ظاہر کرنے والے سلام ہو آپ پر اے بتوں کے توڑنے والے ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے ۔

یَا سَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا ۔ اَرْجُوا رِضَاكَ وَاحْتَمِی بِحِمَاكَ

یعنی اے سرداروں کے سردار میں دلی ارادت سے آپ کے حضور میں آیا، اور آپ کی رضا کا متوقع ہوں، اور اپنے آپ کو آپ کی پناہ میں دیتا ہوں ۔

قصیدہ بردہ شریف میں ہے ۔

یا اکرم الخلق مَا لِی مَن الوذ به ۔ سواكَ عندَ حلولِ الحادث العمم

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ آپ سے یوں خطاب فرماتے ہیں ۔

یا رحمۃً للعلمین ادراك لزین العابدین ۔ محبوس ایدی الظلمین فی موکب و المزدھم

ترجمہ ۔ اے رحمۃ للعلمین زین العابدین کی امداد کو پہنچو کیونکہ وہ دشمنوں، ظالموں کے ہاتھوں میں قید ہے ۔

حافظ عبد الحلیم صاحب قدس سرہ العزیز اپنی تصنیف وسائل البرکات میں ارقام فرماتے ہیں ۔

السلام علیك منی والصلوٰۃ یا رسول ۔ لیس لی حسن العمل کیف النجاۃ یا رسول

ما اقوال کیف حالی حیث لا یخفی علیك ۔ انت تعلم ما مضی وما سیاتی یا رسول

انت موج اول الامواج فی بحر القدم ۔ لیس ممکن کائنات یا رسول

انت خیر الخلق خیر الانبیا خیر الرسل ۔ مصدر الخیرات محمود الصفات یا رسول

انت جواد کریم نحن قوم السائلون ۔ من نصاب لفضل شیئا فی الزکوٰۃ یا رسول

ان فی ہجرك عذابا فی عذاب لا یطاق ۔ ان فی وصلك حیاتنا فی حیاۃ یا رسول

انت کنزاً مخفی فی کنت کنزاً مخفیاً — اختفاء النخل فی عین النوا الا یا رسول

سلم اللہ علی روحک وصلی دائماً — کل ساعاتِ النھار واللیالی یا رسول

ترجمہ۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ پر میری طرف سے صلوٰۃ وسلام ہو، میرے پاس نجات کی کیا صورت ہے جبکہ میرے پاس کوئی نیک عمل نہیں، میں کیا عرض کروں کہ میرا حال کیسا ہے، جبکہ آپ پر وہ مخفی نہیں، آپ ماضی و مستقبل کے واقعات سے آگاہ ہیں، آپ بحرِ قدم کی موجوں میں سے پہلی موج ہیں، آپ کی نظیر کائنات میں ممکن نہیں، آپ جملہ مخلوقات، انبیاؑ اور رسل سے افضل ہیں، آپ مصدرِ خیرات ہیں اور صفاتِ محمود سے متصف ہیں آپ جواد ہیں، کریم ہیں، اور ہم سب سائل ہیں، اپنے متاع فضل وکرم سے ہمیں بھی کچھ عنایت کریں، آپ کے ہجر و فراق کے صدمات ناقابلِ برداشت ہیں، اور آپ کے وصل میں حیات در حیات ہے، آپ کنت کنزاً مخفیا میں سے ایک خزانہ ہیں، جس طرح کہ کھجور کا درخت اپنی گٹھلی میں پوشیدہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ آپکی روح اقدس پر ہر وقت صلوٰۃ وسلام بھیجے اور دن رات کی تمام ساعات میں اپنی خاص برکات نازل کرے۔

گذشتہ احادیث اور اکابرِ امت کے مندرجہ بالا اشعار سے نہ بعد الممات بھی ثابت ہو گئی، انبیاء علیہم السلام کی زندگی اولیاؑ و شہداء سے زیادہ اکمل ہے، اسلئے وہ دوستوں کی امداد اور دشمنوں کی ہلاکت پر بحکم الٰہی قدرت رکھتے ہیں، اور بعد وفات وہ امداد پر اس سے بھی زیادہ قادر ہیں، جیسا کہ وہ ظاہر زندگی کی حالت میں تھے، زندگی بعد الوفات سے وہ زندگی عبادت ہے، جس کے باعث عالمِ ممکنات میں آدمی کی قوتِ متصرفہ بدرجہا زیادہ ہو جاتی ہے، صرف ارواح کا زندہ رہنا مراد نہیں، کیونکہ یہ رتبہ تو کفار کو بھی حاصل ہے، کما قال اللہ تعالےٰ۔

النار یعرضون علیھا غدواً وعشیاً ویوم تقوم الساعۃ ادخلوا اٰل فرعون اشد العذاب ۔ ترجمہ آگ ہے جو دکھائی جاتی ہے فرعون کی قوم کو صبح وشام کے وقت ہمیشہ، اور جب قیامت قائم ہو گی تو فرشتے کہیں گے کہ ان کو خدا تعالےٰ کے حکم سے کہ اندر جاؤ فرعون کے لوگو بہت بڑے عذاب میں، یعنی اب تک تو تھوڑا عذاب تھا تم پر کہ دیکھتے تھے آگ کو، اب بڑا عذاب ہے کہ آگ کے اندر جاؤ گے، اور ہمیشہ اس میں رہو گے (موضح القرآن)

یہاں آلِ فرعون کی ارواح کا زندہ ہونا اور آگ کا مشاہدہ کرنا صاف ثابت ہے اور مومنین کاملین کے متعلق صاف ارشاد ہے، بل احیاءٌ عند ربھم ولٰکن لا تشعرون، ان دلائل کی موجودگی میں اللہ تعالےٰ کے خاص بندوں کو محض جمادات کی طرح بے حس وحرکت اور بے مصرف سمجھنا نادانی ہے، نیز جن، شیطان، بھوت اور پری وغیرہ کو انبیاء واولیاء کی سلک میں پرونا سخت بے ایمانی ہے، ان سے پرہیز واجب اور بزرگان حق کی تعظیم و توقیر لازمی ہے۔

منکرین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات

(۱) وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗ اِلٰی یَوْمِ القیامہ وھُمْ عن دُعَائِھِمْ غٰفِلُوْنَ، وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوْا لھم اعداءً وکانوا بعبادتِھِم کٰفِرِیْن، ترجمہ: اور کون ہے گمراہ۔ زیادہ اس سے جو پوجے سوائے خدائے تعالےٰ کے اُس چیز کو جو قبول نہ کرے، ان کے پوجنے کو قیامت تک، یعنی اگر قیامت تک ان کی پوجا کریں، تو وہ ہرگز جواب نہ دیں، اور بُت اُن کے پوجنے سے بے خبر ہیں، اور نہیں سنتے اُن کے پکارنے کو ہرگز، اور جس وقت قبروں سے اُٹھ کر اکٹھے ہونگے سب لوگ قیامت کے دن، بت ان کے دشمن ہونگے، اور ان کے پوجنے کے منکر ہونگے کہیں گے، تب کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے، بلکہ تم نے اپنے جی کی خوشی کی تھی۔ (موضح القرآن)۔

آیت مذکورہ میں لفظ یدعوا بمعنے عبادت استعمال ہوا ہے، جس کا فاعل کفار اور مشرکین ہیں، جن آیات کے مصداق کفار اور بُت ہیں، ان کو انبیائے کرام اور اولیائے عظام پر چسپاں کرنا گمراہی کی دلیل ہے اور ایسی غلط فہمی پھیلانا فسادِ نیت کا ثبوت ہے، جب کفار اور بتوں کا ذکر نہ کیا جائے، تو عوام یہی سمجھیں گے، کہ انبیا و اولیا کو پکارنا بھی شرک ہے، اس آیت کے فقرۂ آخر کَانُوْا بِعِبَادَتِھِمْ کٰفِرِیْن پر غور کرو کیا یہ منکرین کے مقصد کے خلاف شہادت نہیں، یعنی وہ (بُت) کفار کی عبادت کا انکار کریں گے، کہاں بتوں کے پجاری، ملائکہ کے پرستار حضرت عزیز و عیسےٰ علیہما السّلام کو خدا کا بیٹا کہنے والے مشرک اور کہاں فرطِ محبت الصلوٰۃ والسّلام علیک یارسول اللہ کہنے والے مومنِ کامل اگر خدا تعالےٰ بصیرت عطا فرمائے، تو ان باتوں میں امتیاز کرنا چاہیئے۔

ہمارا عقیدہ ہے، کہ اگر کسی نبی یا ولی کو پکارا جائے اور پکارنے سے غرض عبادت ہو تو یہ شرک ہے، مگر ساتھ ہی یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے، کہ کوئی مسلمان انہیں بغرض عبادت نہیں پکارتا، نہ ایسے شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔

(۲) قال ھل یسمعونکم اذ تدعون او ینفعونکم او یضرون، کہا حضرت ابراہیم السّلام نے کیا وہ بت سنتے ہیں تمہارا بلانا جب تم انہیں پکارتے ہو، یا تمہیں کوئی فائدہ پہنچاتے ہیں، جو تم پوجتے ہو انہیں، یعنی کچھ بخشش یا انعام کرتے ہیں تم پر یا کسی طرح سے نقصان کرتے ہیں، تمہارا اگر تم ان کا پوجنا چھوڑ دو، جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے یہ باتیں پوچھیں تو حیران ہوئے (موضح القرآن)۔

یہاں بھی کفار اور بتوں کا وہی قصہ ہے جس کے متعلق اوپر عرض کیا جا چکا ہے:۔

(۳) ان الذین تدعون من دون اللہ عبادٌ امثالکم فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صٰدقین

ترجمہ: تحقیق جن بتوں کو کہ بندگی کرتے ہو تم سوائے اللہ کے بندے ہیں، تابعدار مانند تمہاری، پس دعا رمانگو تم ان سے پس چاہیئے کہ قبول کریں وہ دعا تمہاری کو اگر ہو تم سچ بولنے والے کہ وہ خدا ہیں، اور چاہیئے کہ خدا بندے کی دعا قبول کرے، یہاں تدعون بہ بے معنی عبادت مستعمل ہوا ہے، اور عبادت کے ہم بھی منکر نہیں۔

(۴) وَالذین تدعون من دونہٖ لایستطیعون نصرکم ولا انفسھم ینصرون اور جن بتوں کو کہ بندگی کرتے ہو تم سوائے اللہ کے نہیں طاقت رکھتے ہیں تمہاری یاری کرنے کی' اور نہ ذاتوں اپنی کی یاری کرتے ہیں' وہ جب کوئی توڑے یا انہیں پامال کرے۔

(۵) ولا تدعُ من دون اللہ مالاینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذاً من الظٰلمین' اور نہ پکار سوائے اللہ تعالےٰ کے اس شئی کو جس کا پکارنا تجھے نفع نہ دے اور نہ کچھ ضرر دے' جو اس کو تو نہ پکارے' سو اگر تو نے ایسا کیا' یعنی اس چیز کو جو نفع نہ دے' پکارا تو اُس وقت ظالموں سے ہوگا' اس لیے کہ اُس کو پکاریگا' جس کو نہ پکارنا چاہیئے۔

آیت ۴ - ۵ سے غیر خدا کو خدا سمجھ کر پکارنے کی ممانعت کی گئی ہے' کیونکہ یہ غیر خدا کی عبادت ہے' نبی کو نبی ولی کو ولی سمجھ کر پکارنا درانحالیکہ انہیں خدا تعالیٰ کی صفات سے متصف بالذات نہ تسلیم کیا جائے' کسی طرح ممنوع نہیں' اگر غیر خدا کو پکارا جائے' جبکہ پکار سے غرض عبادت نہ ہو' تو کوئی نقص نہیں ورنہ زندوں اور نزدیک کے آدمیوں کو پکارنا بھی شرک ہوگا' اور اپنے ماں' باپ' بھائی' بہن' دوست' آشنا وغیرہ کو پکارنے میں بھی شرک کا امکان ہوگا۔

(۶) انّ الذین تدعون من دون اللہ لن یخلقوا ذباباً ولو اجتمعوا لہٗ وان یسلبھم الذباب شیئاً لا یستنقذوہ منہُ ضعف الطالب والمطلوب - ترجمہ - بیشک وہ لوگ جو پکارتے ہیں اور یاد کرتے ہیں' یعنے پوجتے ہیں سوائے خدائے تعالیٰ کے بتوں کو' وہ بُت بنا نہیں سکتے' اور پیدا کر نہیں سکتے' ایک مکھی کو بھی اگرچہ اس کام کے لئے سب بُت اکٹھے ہوں تب بھی نہ کر سکیں' اور اگر مکھی بتوں سے کچھ لے جائے' تو بُت مکھی سے نہ لے سکیں' کہتے ہیں کافر شہد اور سرکہ بتوں کو لگا کر مکانوں کو خالی چھوڑ کر سب چلے جاتے تھے' مکھیاں اسے کھاتیں' تو کہتے کہ ہمارے خداؤں نے کھایا' اور خوش ہوتے' خدا تعالےٰ اس امر کے بارے میں فرماتا ہے' کہ بتوں کو اتنی قدرت حاصل نہیں' کہ وہ مکھیوں کو دُور کر سکیں - (موضح القرآن)

غور کرنے کا مقام ہے' کہ بتوں کی اس بے بسی اور کمزوری کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم پر عاید کیا جاسکتا ہے - کہاں بتوں کی پرستش اور کہاں رسول مقبول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو پکارنا جس سے غرض عبادت نہیں' ؎ ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

(۷) اَفَحَسِبَ الذین کفروا ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء ان اعتدنا جھنم للکٰفرین' ترجمہ - کیا سمجھتے ہیں کافر جو پکڑیں گے قیامت کے دن میرے بندوں کو سوائے میرے دوست اپنا' یعنی یہ کافر جو مجھے چھوڑ کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور عزیز علیہ السّلام کو خدا کہتے ہیں' اس واسطے کہ سمجھتے ہیں کہ قیامت میں وہ عذاب خدا سے چھڑا لیں گے' یہ غلط سمجھتے ہیں' وہ ہرگز چھڑا نہیں سکیں گے' بے شک ہم نے تیار کیا ہے' دوزخ کافروں کے واسطے پہلے سے مہمانی۔

(۸) وَ اَنَّ المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً - ترجمہ - اور سب مسجدیں خدا تعالیٰ کی ہیں' پھر مت پکارو یعنی

رت یاد کرو ساتھ خدا تعالیٰ کے کسی ایک کو بھی یعنی خدا تعالیٰ کا شریک کسی کو نہ کرو، جیسے یہودی عزیز علیہ السلام کو نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں، اور بیٹا باپ کے مال ملک کا وارث اور شریک ہوتا ہے (موضح القرآن)۔ — منکرین یہ آیات بطور حجت فی غیر محلہ استعمال کی ہیں، مسلمان جب کسی نبی یا ولی کو پکارتے، نہ اُن کی اس طرح پرستش کرتے ہیں جس طرح کفار بتوں کی، نہ اُنہیں یہود و نصاریٰ کی طرح خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں بلکہ وہ اُنہیں خدا کے مکرم بندے سمجھتے ہیں، اگر اُن سے طلب امداد کرتے ہیں، تو محض اس خیال سے کہ مدد کرنے کی طاقت خدا تعالیٰ نے ہی اُنہیں کی ہوتی ہے، اور اصل توفیق دینے والا وہی ہے جس طرح خدا تعالیٰ نے مختلف اشیاء کے مختلف خواص بنائے ہیں، اسی طرح بزرگانِ دین کا خاصہ ہے، کہ وہ بحکم الٰہی اپنے معتقدین کی جائز امداد کریں، ان کے بارے میں اگر کسی کا اعتقاد تجاوز کی حدود طے کر کے افراط یا تفریط کی طرف مائل ہو جائے تو بزرگانِ دین اس سے بالکل بَری ہیں۔

(۹) فاذکروا اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبکم "یعنی اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر یاد کیا کرو، اس سے ذکر غیر اللہ شرک ثابت ہوتا ہے۔

اس آیت سے غیر اللہ کا ذکر شرک سمجھنا منکرین کی سینہ زوری ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بالواسطہ خدا کا ہی ذکر ہے، قرآن مجید میں ہے مَن یطع الرسول فقد اطاع اللہ، کلمہ طیبہ، نماز، حج، اذان، خطبہ و دیگر عبادات آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے، ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما، یہاں مومنین کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنے کا حکم ہے، تو کیا یہ ذکر اور یہ آیت مندرجہ عنوان کے معارض ہے، ہرگز نہیں، بلکہ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منکرین نے قصور فہم سے آیت کا اصل مفہوم سمجھا ہی نہیں، کیونکہ اس آیت میں فاذکروا وجوب کے لئے نہیں، جواز کیلئے ہے یعنی کھڑے، بیٹھے اور لیٹے خدا کا ذکر کرنے کی اجازت ہے، ممانعت نہیں، نہ نماز کی طرح ذکر میں خاص پابندیاں اور قیود ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد پیغمبروں کے ذکر کے علاوہ کفار کا حال بھی بیان ہوا ہے، تو کیا ان آیات کا پڑھنا ممنوع قرار دیا جائے گا، کیونکہ ان میں غیر اللہ کا ذکر ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں التحیات میں السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ پڑھنا سکھایا، لیکن آپ کی وفات کے بعد ہم نے السلام علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کہنا شروع کر دیا جس سے ثابت ہوا کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کو خطاب کرنا درست نہیں۔

الجواب ۔ مقام غور ہے، کہ آج اس حدیث پر عمل ہو رہا ہے، یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بتلائے ہوئے طریقے پر، اگرچہ بعض صحابہ نے اپنے اجتہاد سے حضور صلعم کے فرمائے ہوئے طریق کو بدلا، لیکن حدیث مرفوع کے مقابلے میں اس کی کیا اہمیت ہے، اور جو صحابہ آپ کی زندگی میں آپ سے دُور تھے، وہ بھی السلام علیک ہی کہتے تھے، کیا ان کیلئے ندائے غائب جائز تھی، نیز حاضر صحابہ بھی یہ کلمہ بالجہر تو نہیں کہتے تھے، بلکہ دل میں ہی کہتے تھے، ایسی حالت حضور و

غیب کا امتیاز ہی نہیں رہتا، نیز تمام آئمہ مجتہدین السلام علیک والی التحیات کو ہی اختیار فرمایا اور اُسے بدلنے کا حکم نہ دیا پس اگر نماز میں السلام علیک یا ایہا النبی کہنا شرک نہیں، تو بعد نماز کیوں شرک ہوگا، اور نماز میں اس خطاب کو بحال رکھنا ہی اس امر کا ثبوت ہے، کہ اس میں مطلق کسی قسم کی قباحت نہیں ہے، بلکہ یوں کہنا ثواب ہے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات کے مطابق ہے۔

خدا نے انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی ارواح میں یہ وصف رکھا ہوا ہے، کہ وہ دُور سے کسی کی پکار کو سُن لیں، اور اُس کی مناسب مدد کریں، ارواح کی یہ قدرت ذاتی نہیں بلکہ وہبی ہے، معلوم نہیں کہ منکرین کو اس اعتقاد میں کونسی قباحت معلوم ہوتی ہے، جبکہ ارواح قیدِ اجسام سے آزاد ہوتی ہیں اور اُن کی قوت سمع وبصر پہلے کی بہ نسبت بدرجہا بڑھ چکی ہوتی ہے آج ریڈیو اور تار برقی کے ذریعے ہزاروں میل دور سمندر پار کی باتیں سُن لیتے ہیں، اور اُس کی واقعیت کے متعلق ذرا بھی شک نہیں کرتے، تو پھر قوت نبوت اور خدا کی قدرت میں شک کرنے کی کیا وجہ ہے۔

اب ہم رئیس غیر مقلدین مولوی وحید الزمان کی کتاب ہدیۃ المہدی میں سے کچھ اقتباسات نقل کرتے ہیں، وہ اس میں عقائد اہل حدیث بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے، الدعاء الشرعی عبادۃ کالصلوٰۃ فلا یجوز من غیر اللہ وھی المراد فی الآیات التی وردفیھا لفظ الدعاء، اما الدعاء اللغوی بمعنی الندا، فتجوز لغیر اللہ مطلقاً سواء کان حیًا او میتًا، دعائے شرعی عبادت کے معنی میں ہے، جیسا کہ نماز، پس وہ غیر خدا کے لئے جائز نہیں، اور ان آیات میں جن میں یہ لفظ وارد ہوا، یہی معنی مراد ہیں، مگر دعائے لغوی ندا، (پکارنا یا بلانا) کے معنی میں ہے، اور یہ غیر اللہ کے لئے مطلقاً جائز ہے، اور یہ جواز زندہ اور مردہ دونوں کے لئے یکساں ہے۔

نوٹ۔ مولف ہدیۃ المہدی کا یہ قول کہ جن آیات میں دعاء کا لفظ وارد ہوا ہے، عبادت کے معنی میں ہے، کئی آیات کے خلاف ہے، منجملہ ان آیات کے ایک آیت یہ ہے، لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا، اگر مولف کے حسب منشا، یہاں معنی عبادت ہی لئے جائیں، تو مفہوم میں کس قدر خرابی لازم آتی ہے، یہ امر اہل عقل پر الم نشرح ہے، یعنی آیت کا مطلب یہ نکلے گا، کہ جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کی عبادت کرتے ہو، اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت نہ کرو، اور یہ بالکل صحیح عقیدہ کے خلاف ہے، پس دعا بمعنے پکارنا بھی وارد ہوا ہے۔

اسی کتاب میں لکھتا ہے، وثبت فی حدیث الاعمٰی یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی وفی حدیث آخر یا عباد اللہ اعینونی وقال ابن عمر حین ذل قدمہ وا محمداہ ولما دعاء ملک الروم الشہداء فی النصرانیہ قالوا یا محمداہ رواہ ابن جوزی من اصحابنا وقال اویس القرنی بعد وفات عمر یا عمراہ یا عمراہ رواہ ھرم بن حیان وقال السید فی بعض توالیفہ "قبلۂ دیں مددے کعبۂ ایماں مددے ابن قیم مددے قاضی شوکان مددے" اور حدیث اعمیٰ میں لفظ ندا یا محمد ثابت ہو چکا ہے، یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں' اور دوسری حدیث میں بھی یعنے اے خدائے تعالےٰ کے بندو میری مدد کرو' ندا ثابت ہوگئی ہے' حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا پاؤں پھسلا' تو انہوں نے فرمایا' یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور جس وقت بعض صحابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو نصرانیت کی طرف بلایا' تو انہوں نے یا محمداہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا' روایت کیا اس کو ابن جوزی نے ہمارے دوستوں سے اور حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت کی وفات کے بعد کہا' یا عمراہ یا عمراہ یا عمراہ' روایت اس کو ہرم بن حیان نے' اور سید (نواب حسین صدیق بھوپالی) نے در رسالہ (نفخ الطیب) میں کہا کہ اے قبلۂ دین اور کعبۂ ایمان مدد کیجئے' اے ابن قیم اور قاضی شوکانی مدد کیجئے ا۔

آگے لکھتا ہے' مجرد النداء لا نحکم بشرکھم کیف وقد نادی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتلیٰ بدر یا فلان بن فلان یا فلان بن فلان وورد فی حدیث عثمان بن حنیف یا محمد انی اتوجہ بک الی ربی صحح البیہقی والجزری وقال الترمذی حدیث حسن صحیح وفی روایتہ یا رسول اللہ انی توجہت بک الی ربی وورد فی الحدیث یا عباد اللہ اعینونی' ترجمہ۔ پس مجرد ندا یعنے پکارنے سے ہم شرک کا حکم نہیں کرتے' اور یہ ہو بھی کیونکر سکتا ہے' جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقتولین بدر فلاں ابن فلاں (ان کے نام لے لے کر) کہہ کر پکارا' اور عثمان بن حنیف کی حدیث میں وارد ہوا ہے' کہ اے محمد صلی اللہ علیک وسلم میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اس کو بیہقی اور جزری نے صحیح کہا' اور ترمذی نے اس حدیث کو حسن اور صحیح کہا' اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کے وسیلے سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتی ہوں' اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ اے خدا تعالےٰ کے بندو میری مدد کرو ا۔

اور صفحہ ۲۵ میں لکھتا ہے' اما لو ظن احد بان سماع النبی او سماع علی او سماع احد من الاولیاء اوسع من سماع عامۃ الناس بحیث یشمل سائر اقطار الاقلیم او سائر اقطار الارض فھذا لا یکون شرکا للہ تعالےٰ قد اعطی بعض الملئکۃ بل بعض الحیوانات سمعا وبصرا اقوی واوسع من سمع العامۃ وبصرھم روی الدیلمی فی مسند الفردوس وابو یعلی مرفوعا فان اللہ وکل ملکا عند قبری فاذا صلی علی رجل من امتی قال الملک یا محمد ان فلان ابن فلان صلی علیک الساعۃ' اور اگر کسی نے ظن کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا کسی ولی کی قوت سماعت عوام کی قوت سماعت سے زیادہ اور وسیع ہے' بحیثیکہ وہ تمام اطراف ولایت کو شامل ہے' تو یہ شرک نہ ہوگا کیونکہ اللہ تعالےٰ نے بعض فرشتوں بلکہ بعض حیوانات کو سمع و بصر کی طاقت عوام کی بہ نسبت قوی اور وسیع تر عطا کی ہے' دیلمی نے مسند فردوس میں اور ابو یعلےٰ نے بہ مرفوع حدیث بیان کی ہے کہ تحقیق اللہ تعالےٰ نے میرے روضے کے پاس ایک فرشتہ موکل کیا ہے' جب میری امت میں سے کوئی

شخص کسی وقت مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے، تو وہ فرشتہ کہلاتا ہے کہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم، فلاں ابن فلاں نے اس وقت آپ پر درود پڑھا' باقی احادیث سماعِ موتی کے باب میں بیان ہوں گی' انشاء اللہ تعالیٰ۔

کلمہ شیئاً للہ کے متعلق منکرین فقہا سے اس کا شرک ہونا پیش کرتے ہیں' مگر فقہا اس کلمہ کے قائل کے کفر میں اختلاف رکھتے ہیں' اور عدم کفر کو ترجیح دیتے ہیں' پس قول عدم کفر راجح اور قول کفریت شیئاً للہ مرجوع ہے' اور اس قول کے مرجوع ہونے کی یہ وجہ لکھتے ہیں' کہ خدا تعالیٰ کو حضرت شیخ کا محتاج سمجھتے ہوئے شیخ سے کوئی چیز خدا کے لئے طلب کرے' اور یہ صاف ظاہر ہے' کہ ایسا لغو عقیدہ کسی اجہل مشرک کا ہو تو ہو مگر کسی سمجھدار مسلمان کا نہیں ہو سکتا' پس فقہاء نے ایسے عقیدے کو کفر لکھا ہے' نہ کہ اُس عقیدہ کو جو صوفیائے کرام کا ہے' صاحب فتاویٰ خیریہ فرماتے ہیں' وھٰذا لا یختلج فی خاطر احد یعنی حضرت شیخ کے متعلق ایسا خیال کسی کے دل میں نہیں گزرتا' کہ حق تعالیٰ ان کا محتاج ہے' اور تمام فقہاء پر قول راجح کا اتباع لازم ہے' جیسا کہ در مختار میں ہے' واما نحن فعلینا ما رجحوہ وما صححوہ کما افتوا فی حیوتھم الخ پس ہم پر اس چیز کی تابعداری لازم ہے' جس کو انہوں نے ترجیح دی اور صحیح فرمایا' جیسا کہ علمائے سابقین نے اپنی زندگی میں فتویٰ دیا تھا' اور رد المختار یعنی شامی میں اس قول کے نیچے فرماتے ہیں' لا یسعنا فی لفتم یعنی ہمیں اُن کی مخالفت کی گنجائش نہیں' در مختار میں ہے' کہ قولِ مرجوح پر حکم کرنا اور فتویٰ دینا جہالت اور خرقِ اجماع ہے یعنی اجماع کو توڑنا ہے' اور رد المختار میں فرمایا کہ قولِ مرجوع منسوخ ہوتا ہے' اور اشباہ وغیرہ میں تحریر ہے' کہ منسوخ پر عمل کرنا حرام ہے' صاحب خیریہ فرماتے ہیں' مَن قال شیئاً للہ قال بعض یکفر ولا وجہ لذالک اھ یعنی کہ جس کسی نے شیئاً للہ کہا' وہ بعض کے نزدیک کافر ہے' حالانکہ اس کے کفر کی کوئی وجہ نہیں۔

منکرین یہ بھی کہتے ہیں کہ فقہاء کلمہ مختلفہ کے قائل کو اگرچہ اس کی تاویل ہی کیوں نہ کی گئی ہو معذور نہیں سمجھتے' ان کا یہ قول محض جھوٹ اور افترا ہے' کتب فقہ میں قول منکرین پر اتفاق فقہا ثابت نہیں' بلکہ قائل کلمہ مختلفہ اولہٗ تاویل کیا گیا کے متعلق حکم ہے' کہ قاضی اور مفتی کو چاہیئے کہ قائل کی تاویل قبول کریں' حضرت ملا علی قاری شرح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں۔

وَلو قال لسلطان زماننا عادل یکفر لانہ جائر بیقین ومن سمی الجور عدلاً یکفر وقیل لا لان لہ تاویلاً وھو ان یقول اردت بہ انہ عادل عن غیرنا او ھو عادل عن طریق الحق قال اللہ تعالیٰ ثم الذین کفروا بربھم یعدلون انتھی وحاصلہ ان نقطھا عادل یحتمل کونہ اسم فاعل من عدل عدلاً ظلم وجار او من عدل عدولاً ای اعراضاً فاذا کان اللفظ محتملاً فلا یحکم بکونہ کفراً الا اذا اصرح بانہ نوی المعنی الاول فتامل ونظیرہ فی المعاملات ما ذکروا فی الطلاق والعتاق من الکنایات فانھا یتوقف حکمھا علی النیات لا یسما وقد ذکروا ان المسئلۃ المتعلقۃ بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالاً للکفر واحتمال واحد فی نفیہ فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل باحتمال النافی لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اھون من

الخطاء فی افناء مسلم واحد وفی مسئلۃ المذکورۃ تصریح بانہ یقبل من صاحبہا التاویل فلانا لما ذکرہ بعضھم علی خلاف ھذا القبیل۔ ترجمہ۔ اگر کوئی کہے کہ ہمارے زمانے کا بادشاہ عادل ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اسلئے کہ وہ بادشاہ یقیناً ظالم ہے، اور جو کوئی ظلم کا نام عدل رکھے تو وہ کافر ہو جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ کافر نہیں ہوتا کیونکہ اس کلمے کی تاویل صحیح ہے جبکہ قائل کا اس کلمے سے یہ ارادہ تھا کہ یہ بادشاہ دوسرے بادشاہوں کی بہ نسبت عادل ہے، یا حق سے رُوگردانی کرنے والا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے، کہ کافر اپنے رب سے منہ پھیرنے والے ہیں (پس عدل ذو معنی ہوا) حاصل کلام یہ کہ لفظ عادل احتمال رکھتا ہے، کہ یہ عدل (ضد ظلم) سے اسم فاعل ہے، اور عدول (منہ پھیرنے والا) کے معنی میں بھی ہے پھر جب ایک لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہو، تو قائل کے کفر پر حکم نہ کیا جائے گا جب تک کہ وہ اس کی تصریح نہ کرے اور اس کی نیت معنی کفر کی طرف ہو پس اس میں تامل کرنا چاہیئے اور اس کی مثال معاملات طلاق و عتاق میں ہے کہ ان میں کنایات مذکورہ ہوتے ہیں، اور کنایات کا حکم نیت پر موقوف ہوتا ہے جس کا ذکر مجتہدین اور محققین نے کیا ہے، کہ جب کوئی مسئلہ کفر کے متعلق ہو، اور اس مسئلہ کفر میں ننانوے وجوہات کفر کی ہوں اور ایک وجہ نفی کفر کی ہو، ایسی حالت میں مفتی اور قاضی کے لئے لازم ہے کہ نفی کفر کی وجہ کو ملحوظ رکھیں، کیونکہ ہزار کافر کو کفر میں چھوڑنے کی خطا ایک مسلم کو فنا میں ڈالنے سے آسان ہے اور مسئلہ مذکورہ میں مجتہدین نے ان معنی میں تصریح کی ہے کہ قائل کلمہ مختلفہ کی تاویل قبول کی جائے، بشرطیکہ وہ صحیح تاویل کرے، بعض فقہاء نے اس کے خلاف بھی کہا ہے الخ۔

اکابر اولیائے امت واجلہ علمائے ربانی میں سے بے شمار حضرات اس کلمہ کے قائل ہیں، جن کی تعداد احاطۂ شمار سے باہر ہے، حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ بانی طریقہ نقشبندیہ نے وصیت فرمائی تھی، کہ میرے جنازے کے آگے یہ دو شعر پڑھیں۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو ۔۔۔ شیئاً للہ از جمال روئے تو

دست بکشا جانب زنبیل ما ۔۔۔ آفریں بر دست و بر بازوئے تو

حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ نے کمال ادب ایسا کیا تھا اور کہا تھا کہ ہمارے جنازے کے آگے فاتحہ کلمہ طیبہ یا کوئی آیت پڑھنا سوء ادب ہے اس لئے یہ شعر پڑھے جائیں، شاہ صاحب مذکور فرماتے ہیں کہ میں بھی کہتا ہوں کہ میرے جنازے کے آگے بھی یہی دو شعر پڑھے جائیں، نیز آپ نے لکھا ہے کہ میں ایک دن حضرت خواجہ قطب الدین کے مزار مقدس پر حاضر ہوا، اور شیئاً للہ شیئاً للہ کہا، اتنے میں میں نے دیکھا، کہ ایک حوض پانی سے لبریز ہے اور اس کا پانی کناروں سے گر رہا ہے، مجھے القا ہوا کہ تیرا سینہ نسبت مجددیہ سے معمور ہے، اس میں کسی دوسری نسبت کی گنجائش نہیں، شیخ المشائخ جناب شہاب الدین سہروردی (بانی طریقہ سہروردیہ) اپنی کتاب

عوارف المعارف میں لکھتے ہیں، کان الصالحون یسئلون الناس عند الفاقتہ ونقل عن ابی سعید الخراز انہ یمد یدہ عند الفاقتہ ویقول شیئاً للہ یعنی نیک آدمی بھوک کے وقت لوگوں سے سوال کرتے تھے، اور ابی سعید خراز سے منقول ہے کہ بھوک کے وقت لوگ ہاتھ دراز کرتے تھے، اور شیئاً للہ کہتے تھے۔

مواہب اللدنیہ میں ہے کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے حضرت شیخ ابوالحسن قطب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور آپ کے اچھے لباس پر اظہار تعجب کیا، حضرت موصوف نے فرمایا یا ھذا ھیئاتی تقول الحمد للہ وھیئاتک ھذہ تقول شیئاً للہ یعنی میری صورت الحمد للہ کہتی ہے اور تیری صورت شیئاً للہ کہتی ہے۔

تمت بالخیر

ملنے کا پتہ

ادارہ اشاعت اسلامیہ جامع مسجد روڈ راولپنڈی

(مولوی باغ علی نے مقبول عام پریس سے چھپوا کر شائع کیا)